مسافتیں بے نشان ٹھہریں

نگہت سیما

یہ کہانی ملائکہ محب اللہ خان کی ہے۔ ملائکہ میری کون ہے' اور میں اس کی کہانی کیوں لکھ رہی ہوں' تو شاید اس کا جواب میرے پاس نہیں ہے۔ وہ میری کون تھی؟ اس کے اور میرے بیچ کیا رشتہ تھا؟ محب و محبوب کا' ہمدرد کا' دوست کا یا جانے کیا' میں آج تک جان نہیں پایا ہوں۔ شاید مجھے اس سے محبت ہو گئی تھی' یا پھر شاید مجھے اس سے ہمدردی تھی۔ مجھے اس پر ترس آتا تھا۔ میں محض اسے تباہ ہونے سے بچانا چاہتا تھا۔ ایک خوبصورت' ذہین اور بے ضرر ایجوکیٹڈ لڑکی کو' بہر حال جو کچھ بھی تھا' اتنے برس بیت جانے کے بعد بھی میں اسے نہیں بھولا۔ بھول ہی نہیں پایا ہوں۔ شاید اس کی کہانی کا قرض مجھے اتارنا ہے' یا شاید میں اسے اس لئے نہیں بھلا پایا' کہ وہ کچھ انوکھی سی تھی۔ اس کے اندر محبت کو پانے کی بڑی حب تھی' لیکن اس کے اندر کے الجھاؤ اور نفسیاتی گرہیں اتنی دبیز تھیں' کہ وہ محبت پانے کو لپکتی تو لیکن۔۔۔ ایک بار اس نے کہا تھا۔ "ڈاکٹر حبیب احسن! تم میری کہانی لکھو۔" "اچھا لکھوں گا۔" میں ہنس دیا۔ "لکھوں گا' لیکن کیا' ایک پاگل سی لڑکی ہے جو۔۔۔" "تم وعدہ کرو میری کہانی لکھو گے۔" وہ مچل اٹھی' اور جب وہ ضد پر اتر آتی تھی' تو کسی کی نہیں سنتی تھی۔ مجھے وعدہ کرتے ہی بنی۔ میں کوئی بڑا رائٹر نہیں ہوں' لیکن کبھی کبھار کچھ نہ کچھ لکھتا ہوں۔ کچھ اندر سے باہر آنے کو بے تاب ہو' جب کوئی چیز اندر چبھ رہی ہو' اور میں اسے کہہ نہ پاؤں' تو میں قلم اٹھا لیتا ہوں' تو شاید اسی وعدے کا بوجھ مجھے ملائکہ محب اللہ کو بھولنے نہیں دیتا۔ ان بیتے

سات سالوں میں' میں اسے کبھی بھول ہی نہیں پایا ہوں' اور ایسا ہے کہ میں نے ان بیتے سالوں میں کچھ لکھا بھی نہیں ہے۔ آج قلم اٹھایا ہے' تو جی چاہا کہ ملائکہ کی کہانی لکھوں۔ ملائکہ ایک ایسی لڑکی تھی' جسے خود اپنی صلاحیتوں کا ادراک نہیں تھا' یا اگر ادراک تھا بھی پھر بھی اسے خود پر اعتماد نہیں تھا' اس لئے وہ ساری زندگی دوسروں کے ہاتھوں میں کٹھ پتلی بنتی رہی۔ اس نے وہی کیا' جو دوسروں نے چاہا' بلکہ دوسرے بھی کون اس کی ماں اور اس کا ماموں۔ اگر وہ اپنی زندگی کے فیصلے خود کرتی تو شاید کہانی مختلف ہوتی۔ شاید اس کے ساتھ وہ سب کچھ نہ ہوتا جو ہوا' پتا نہیں اس سب کے لئے وہ قصوروار تھی' یا دوسرے یا پھر اگر وہ خود قصوروار تھی' تو کتنے فیصد۔ میں نے جب اسے

پہلی بار دیکھا تھا' تو اس نے بلیو جینز پر گھٹنوں سے اونچا کرتا پہن رکھا تھا' جس کے گلے پر کڑھائی تھی۔ چھوٹے چھوٹے بلیو اور وائٹ پھول' اور وہ رو رہی تھی۔ میں نے اس کی آنکھوں سے بہتے آنسوؤں کو دیکھا' جو اس کے رخساروں کو بھگو رہے تھے' تو میں ٹھٹک کر رک گیا۔ میں اپنے کلینک سے نکل کر پارکنگ کی طرف جا رہا تھا' اور وہ پارکنگ میں ہی ایک سائیڈ پر اپنی گاڑی سے ٹیک لگائے کھڑی رو رہی تھی۔ "یہ کون ہے؟ اور یہ اس طرح کیوں رو رہی ہے؟ آخر اس کے ساتھ کیا ہوا ہے؟" میں نے غیر ارادی طور پر قدم اس کی سمت بڑھا دیئے۔ "یہ لڑکی۔۔۔" مجھے لگا' جیسے میں نے اسے پہلے بھی کہیں دیکھا ہو' لیکن کہاں۔۔۔ میں نے ایک قدم اور آگے بڑھایا۔ یکایک میرے ذہن میں روشنی سی کوندی۔ "ارے یہ تو۔۔۔" میں چونکا۔ "یہ تو ملائکہ محب اللہ خان ہے۔ شوبز کی دنیا کا ایک جانا پہچانا نام' سکرین کا چمکتا ستارہ' ماڈلنگ سے سٹارٹ کر کے سکرین پر تہلکہ مچانے والی ملائکہ محب اللہ۔

اور پھر تقریباً چھ سات سال پہلے ہی عین عروج کے دور میں شوبز کو خیر باد کہہ دینے والی۔ اب نہ تو وہ کسی ٹی وی ڈرامے میں نظر آتی تھی' اور نہ ہی کسی ایڈ میں۔ چند سال پہلے کی بات تھی۔ وہ ٹی وی سکرین پر چھائی ہوئی تھی۔ اس کی اداکاری کی دھوم مچی ہوئی تھی۔ رسالے اور اخبارات اس کے انٹرویو چھاپتے تھے' اس کی اداکاری پر تبصرہ کرتے' گو میں نے اسے زیادہ نہیں دیکھا' کیونکہ میں تو دو سال قبل ہی پاکستان آیا تھا' اور ان دو سالوں میں کہیں کسی ڈرامے میں وہ دکھائی نہیں دی تھی۔ لیکن چند سال پہلے پاکستانی ڈرامے غیر ممالک میں بھی بہت شوق سے دیکھے جاتے تھے۔ میں نے بھی

کیسٹیں منگوائی تھیں۔ ایک بار میں نے ٹی وی پر اس کا انٹرویو بھی دیکھا تھا' اور حیران ہو کر اس کی باتیں سنتے ہوئے از حد متاثر ہوا تھا۔ وہ بہت پڑھی لکھی تھی' کم از کم میں اس وقت تک نہیں سمجھتا تھا کہ کوئی پاکستانی اداکارہ اتنی پڑھی لکھی ہو سکتی ہے۔ اس نے اے لیول سینٹ جوزف سے کیا تھا' اور پھر گریجویشن لاہور سے کرنے کے بعد ایم ایس سی کیمسٹری اس نے جامعہ کراچی سے کیا تھا۔ اس کے علاوہ بھی ڈپلومے اور کورسز بھی' جواب مجھے یاد نہیں تھے' برٹش لہجے میں انگریزی بولتی' اس اداکارہ کے انٹرویو کو میں نے بہت دلچسپی سے دیکھا تھا۔ تب ہی تو میں نے اتنے سالوں بعد بھی اسے پہچان لیا تھا' وہ بلاشبہ وہی تھی' لیکن وہ کیوں رو رہی تھی' یہ جاننے کے لئے ہی میں اس کی طرف بڑھا۔ اگر میں امریکہ میں یوں کسی لڑکی کو روتے دیکھتا' تو شاید اس کی طرف نہ بڑھتا کہ وہ اپنی ذاتیات میں مداخلت پر

خفا بھی ہو سکتی تھی' اور عین ممکن ہے وہ مجھ پر کیس بھی کر دیتی' لیکن یہ پاکستان تھا' وہ مجھے رونے کا سبب نہ بھی بتاتی' لیکن وہ کم از کم میرے ساتھ ایسا کوئی سلوک نہ کرتی' اسی یقین نے مجھے اس کی طرف بڑھنے کا حوصلہ دیا تھا' پھر یکایک وہ مڑی اور میں نے اسے کھڑکی میں جھکتے دیکھا۔

گاڑی میں کوئی اور بھی تھا شاید' کیا مجھے لوٹ جانا چاہیے۔ ابھی میں سوچ ہی رہا تھا کہ مجھے اس کی آواز سنائی دی' وہ چلا رہی تھی۔ "تم گھٹیا عورت! تم مجھے کبھی خوش نہ ہونے دینا۔ تم خود غرض' لالچی اور۔۔۔" میں اب اس سے اتنے فاصلے پر تھا کہ اس کی آواز مجھے صاف سنائی دے رہی تھی۔ میں حیران کھڑا تھا۔ ٹی وی پر برٹش لہجے میں انگریزی بولتی وہ لڑکی' نرمی سے ٹھہر ٹھہر کر بات کرتی' جس لڑکی کا امیج میرے ذہن میں بنا ہوا تھا' میں اس کے چلانے سے بری طرح مجروح ہوا تھا۔ "ملکی! میں کہہ رہی ہوں آرام سے گاڑی میں بیٹھو اور تماشا مت بناؤ۔" اندر بیٹھی خاتون نے کہا تھا۔ وہ مجھے نظر نہیں آ رہی تھی' لیکن میں اسے سن رہا تھا۔ "میں۔۔۔ میں تماشا بناتی ہوں یا تم۔" اب وہ پہلے سے زیادہ زور سے چیخی تھی۔ "تم بناتی ہو میرا تماشا' ہر جگہ' ہر مقام پر۔" "بے وقوف مت بنو ملکی! ماں ہوں میں تمہاری اور مجھے تمہاری بہتری چاہیے۔" "اب پتا نہیں تمہیں میری بہتری چاہیے یا۔۔۔" وہ استہزائیہ انداز میں ہنسی تھی۔ "ملکی!" عورت نے کھڑکی میں سے ہاتھ باہر نکال کر اس کے بالوں کو مٹھی میں بھر کر جھٹکا دیا' تو میں بے اختیار ایک قدم آگے بڑھا۔ اس نے اپنے بال اس خاتون کی مٹھی سے آزاد

کیے اور پلٹ کر مجھے دیکھا۔ "کیا میں آپ کی کچھ مدد کر سکتا ہوں۔" "چل اوئے' راہ لگ اپنی۔" گاڑی والی خاتون کا لہجہ ایسا تھا کہ میں کھسیا گیا۔ "وہ سامنے میرا کلینک ہے' میں پارکنگ کی طرف جا رہا تھا کہ آپ کو روتے دیکھا تو۔۔۔ میں ڈاکٹر ہوں' ڈاکٹر حبیب احسن سائیکاٹرسٹ۔" میں نے وضاحت کی۔ وہ اب میری طرف مڑ چکی تھی۔ اس کے رخسار بھیگے ہوئے تھے' اور آنکھوں سے وحشت برس رہی تھی۔ مجھے لگا جیسے وہ بہت اپ سیٹ ہو' تب ہی تو وہ اتنا چیخ چیخ کر بول رہی تھی' حالانکہ مجھے اب بھی اس کے لہجے کی نرمی اور شائستگی یاد ہے۔ اس کا تلفظ بھی بہت اچھا تھا۔ "اٹس اوکے۔" اس نے آہستگی سے کہا' اور تیزی سے گاڑی کا دروازہ کھول کر اندر بیٹھ گئی۔ میں نے اندر بیٹھی خاتون کو دیکھا۔ تیز گلابی رنگ کے کپڑوں میں ملبوس' گہرا میک اپ کیے وہ شکل سے کوئی نائیکہ لگ رہی تھی۔ تو کیا ملائکہ

محب اللہ کا تعلق اسی علاقے سے ہے۔ ایک لمحہ کو مجھے خیال آیا' مگر دوسرے ہی لمحے مجھے یاد آ گیا کہ کسی میگزین میں' میں نے پڑھا تھا کہ وہ کسی اچھی فیملی سے ہے' اور اس کے والد کسی جاگیردار فیملی کے ہیں۔ ان دنوں جب اس نے شوبز کو خیرباد کہا تھا' تب اس کے متعلق میگزینز میں' اخباروں میں' فلمی پرچوں میں بہت کچھ چھپتا رہا تھا۔ ایسا ہی ایک پرچہ میرے ہاتھ بھی لگ گیا تھا' جس

میں اس کے شوبز چھوڑنے کے متعلق مختلف قیاس آرائیاں کی گئی تھیں کہ اسے کسی سے عشق ہو گیا تھا' اور وہ شوبز چھوڑ گئی۔ ایک خیال یہ بھی تھا کہ اس کی شادی اپنے جاگیردار باپ کے خاندان میں ہو گئی ہے' جس کی وجہ سے اس نے اداکاری چھوڑ دی ہے۔ وہ گاڑی پارکنگ سے نکال کر لے گئی تھی' اور میں ابھی تک وہیں کھڑا تھا۔ "تھینک گاڈ" میں نے دل ہی دل میں شکر ادا کیا کہ اس نے کچھ نہیں کہا تھا' ورنہ۔۔۔ شکر ہے کہ یہ پاکستان تھا۔ میں ایک ڈاکٹر ہوں' ایم بی بی ایس ڈاکٹر نہیں بلکہ سائیکاٹرسٹ۔ وہاں واشنگٹن سٹی میں نا صرف میری بہت اچھی جاب تھی' بلکہ میں نے سب کچھ ایک بنا بنایا سیٹ اپ چھوڑ کر یہاں آنے کو ترجیح دی' کیوں۔۔۔ ٹھہریے' پہلے میں آپ کو اپنے متعلق بتاتا ہوں۔ میرا نام حبیب احسن ہے' ڈاکٹر حبیب احسن۔ ہم دو بھائی ہیں۔ میرے بابا آرمی میں تھے' اور ڈپوٹیشن پر کچھ عرصہ سعودی عرب میں کام کرنے کے بعد انہوں نے ریٹائرمنٹ لے لی تھی' اور ان کی ریٹائرمنٹ کے بعد میرے بھائی نے انہیں امریکہ بلوالیا۔ گو وہ وہاں جانا نہیں چاہتے تھے' ان کا ارادہ اپنی زمینوں کو آباد کرنے کا تھا' لیکن اسد بھائی کے سامنے مجبور ہو گئے۔ اسد بھائی کو امریکہ میں سیٹل ہوئے سات آٹھ سال ہو گئے تھے۔ اس دوران وہ صرف ایک بار پاکستان آئے تھے۔ ان کی بیوی امریکن تھی' جس نے اسلام قبول کر لیا تھا۔ بابا نے چاہا تھا کہ وہ پاکستان سیٹل ہو جائیں' اور اسلام آباد میں گھر لے لیں' لیکن اسد اور ان کی وائف کو یہاں رہنا پسند نہ تھا' اور امی اب ان کے بغیر نہیں رہ سکتی تھیں۔ سو بابا اور امی امریکہ چلے گئے۔ میں نے ایف ایس سی کے بعد نیا نیا میڈیکل کالج میں ایڈمیشن لیا تھا کہ اسد بھائی نے میرے پیپر بھی بھیج دیئے اور میں امریکہ چلا گیا۔

اسد اور ان کی بیوی عائشہ ٹیکساس میں رہتے تھے۔ ان کا گھر بہت خوبصورت تھا' اور عائشہ بہت اچھی لڑکی تھی۔ مجھے وہاں جا کر پہلے گریجویشن کرنا پڑا۔ اور گریجویشن کے بعد میرا ٹیسٹ لیا گیا' اور مجھے مشورہ ملا کہ مجھے ایم بی ایس

کے بجائے سایکولوجی پڑھنا چاہئے اور نفسیاتی امراض کا معالج بننا چاہئے۔ سو میں نے اپنے پروفیسر زکی رائے کا احترام کیا۔ میرا پورا خاندان وہاں تھا' سو مجھے وہاں سیٹ ہونے میں مشکل پیش نہیں آئی تھی۔ وہاں میں ایک کامیاب ڈاکٹر تھا۔ میرے پاس آنے کے لئے تین تین ماہ پہلے ٹائم لینا پڑتا تھا۔ پھر بھی میں یہاں آگیا' سب کچھ چھوڑ کر' صرف اس لئے یہ بابا کی خواہش تھی۔ حالانکہ وہاں کیا نہیں تھا میرے پاس۔ اپنا ذاتی گھر' جاب' پیسہ اور پھر سب سے بڑھ کر جائمہ حارث۔ جائمہ حارث میری کون تھی' میں شاید اس کی وضاحت نہ کرسکوں۔ بس وہ جائمہ تھی۔ مسلمان باپ کی کرسچن بیٹی۔ اس میں مسلمانوں والی کوئی بات نہ تھی' اس کا باپ بہت پہلے جب وہ چھوٹی سی تھی' اس کے ماں کو چھوڑ گیا تھا۔ بہت سارے دوسرے ایشیائی مردوں کی طرح۔ اس کی ماں اب اپنے ایک بوائے فرینڈ کے ساتھ رہتی تھی' اور جائمہ حارث ایک الگ اپارٹمنٹ میں۔ ممکن ہے مجھ سے ملنے سے پہلے اس کے ساتھ بھی کوئی اس کا اپارٹمنٹ شیئر کرتا ہو' لیکن جب میری اس سے ملاقات ہوئی تھی' میں نے اسے اکیلا ہی رہتے دیکھا تھا۔ وہ کرسمس پر اپنی ماں کے پاس جاتی تھی' ورنہ اکیلی رہتی تھی۔ وہ اپنے نام کے ساتھ حارث لکھتی تھی' لیکن وہ کبھی کبھار چرچ بھی چلی جاتی' اور کرسمس کی تیاریاں ہفتوں پہلے شروع کردیتی تھی۔ میرے اور اس کے درمیان مذہب کبھی زیر بحث نہیں آیا تھا۔ میں نے کبھی اس سے نہیں کہا تھا کہ میں اس سے محبت کرتا ہوں' اور نہ ہی اس نے' لیکن ہمیں ایک دوسرے سے کچھ کہنے کی ضرورت نہ تھی۔ ہم دونوں اپنی

اپنی جگہ جانتے تھے کہ ہم ایک دوسرے کے لئے بنے ہیں۔ میں جب پاکستان گیا تھا' تو میں نے سوچا تھا کہ میں تعلیم مکمل کرنے کے بعد واپس آجاؤں گا' تو میں جو وہیں ہی ٹک گیا تھا' تو صرف جائمہ حارث کے لئے۔ وہ ایسی ہی تھی' اتنی دلکش' اتنی پیاری کہ میں گھنٹوں اسے تکتا رہتا تھا۔ اس میں ایک خاص دلربائی تھی۔ ایک سپردگی' ایک وفاداری' میں اس کا اسیر تھا۔ ہاشی بھائی کی طرح وہ بھی میکسیکن تھی' اور میرے مشاہدے کے مطابق میکسیکن۔۔۔ لڑکیوں میں بہت وفا ہوتی ہے۔ وہ ٹوٹ کر محبت کرتی ہیں۔ میں واشنگٹن میں تھا' بابا اور اماں کبھی میرے پاس رہتے تھے' اور کبھی اسد بھائی کے پاس۔ میں نے جائمہ سے یہ کبھی نہیں کہا تھا' کہ میں اس سے شادی کروں گا' لیکن میرے ذہن میں تھا کہ سیٹل ہونے اور اچھا سا گھر لینے کے بعد میں جائمہ سے شادی کے لئے کہوں گا۔ میں اسے جو کہہ کر بلاتا تھا' جو فارسی میں ندی کو کہتے ہیں' وہ بھی کسی ندی کی ہی طرح تھی۔ سبک رو ندی کی طرح۔۔۔ تو گھر بنانے

اور سجانے کے بعد میں نے سوچا تھا کہ اب مجھے کہنا چاہیے کہ میں اس سے شادی کرنا چاہتا ہوں' لیکن اس سے پہلے میں بابا اور اماں سے بات کرنا چاہتا تھا' لیکن بابا کو اچانک ہارٹ کی تکلیف ہوئی اور انہیں ہسپتال لے جانا پڑا۔ ڈاکٹر نے بائی پاس تجویز کیا' اور بابا گھر آ گئے۔ اس روز میں ان کے کمرے میں بیٹھا تھا کہ اچانک انہوں نے کہا۔ "ببو! میری ایک بات مانو گے پتر!" اس طرح "ببو" کہہ کر انہوں نے شاید کبھی بہت بچپن میں مجھے پکارا تھا۔ ان کے لہجے میں پتا نہیں کیا تھا کہ میں تڑپ اٹھا۔

بابا! آپ حکم کریں۔" "بیٹا! تم کسی پاکستانی لڑکی سے شادی کرنا۔" ایک لمحے کو مجھے لگا جیسے میرا دل ساکت ہو گیا ہو۔ کیا بابا جان! جان گئے تھے کہ میں جائمہ سے شادی کرنا چاہتا ہوں۔ مجھے اپنے دل کی دھڑکن سنائی نہیں دے رہی تھی۔ مجھے لگ رہا تھا' جیسے میں یکایک تہی داماں ہو گیا ہوں۔ شاید بابا نے میرے چہرے کا بدلتا رنگ دیکھا تھا' کہ ان کے چہرے پر مایوسی پھیل گئی۔ انہوں نے نظریں میرے چہرے سے ہٹالیں۔ "میں تمہیں مجبور نہیں کرتا۔ اگر تم نہیں چاہتے تو۔۔۔ بس درخواست کی تھی تم سے۔" "بابا!" میں نے تڑپ کر انہیں دیکھا۔ ایک لمحہ کے لئے جو پس منظر میں چلی گئی تھی۔ یہ میرا باپ تھا' جس نے زندگی میں میری کوئی خواہش رد نہیں کی تھی۔ جس نے باپ کی شفقت کے ساتھ دوستوں کا سا اعتماد بھی دیا تھا۔ اس نے آج تک کچھ طلب نہیں کیا تھا' بلکہ دیا ہی تھا۔ اگر اس نے ایسی خواہش کا اظہار کیا تھا' تو اس کا کوئی سبب ضرور ہو گا' ورنہ عاشی بھابی سے انہیں کوئی شکایت نہ تھی۔ عاشی بھابی جنہوں نے اسد بھائی کی خاطر اسلام قبول کیا' جو اماں اور بابا کا بہت خیال رکھتی تھیں' جن دنوں وہ اسد کے گھر ہوتے وہ خصوصاً جینز ٹراؤزر اور شرٹ پہنتیں' سر پر اسکارف باندھے رکھتیں۔ وہ ہر جمعہ کو مسجد میں نماز کے لیے بھی جاتی تھیں۔ میرے دونوں بھتیجے بھی ان کے ساتھ مسجد جاتے' گھر میں ایک قاری انہیں قرآن پڑھانے آتا تھا' ہاں وہ اردو نہیں جانتے تھے۔ اپنی ماں کی طرح امریکن لہجے میں انگریزی بولتے۔ خود کو مسلمان اور پاکستانی بتاتے کہ شاید یہ

ابا نے ہی انہیں سکھایا تھا۔ عاشی بھابی ایک مثالی بہو اور بیوی تھیں۔ بابا جب صبح نماز کے لئے اٹھتے تو وہ انہیں بیڈ ٹی بنا کر کمرے میں دے جاتیں۔ میں نے جب گریجویشن کیا' تو انہوں نے مجھے گاڑی گفٹ کی۔ میں سمجھتا تھا' وہ پاکستانی

بہوؤں کے مقابلے میں بہت اچھی ہیں' جو ساس نندوں کے خلاف سازشیں کرتی رہتی ہیں' اور ان کا وجود برداشت نہیں کر سکتیں۔ بابا اور اماں بھی ان کی بہت تعریف کرتے تھے' لیکن پھر بھی کہیں کوئی کمی تھی کہ بابا نے ایسا کہا تھا مجھ سے' لیکن مجھے سمجھ میں نہیں آرہا تھا۔ "بابا!" میں نے ان کے ہاتھ تھام لئے۔ "درخواست نہیں بابا! حکم کریں۔ آپ کی ہر بات میرے لئے حکم کا درجہ رکھتی ہے۔" یکایک ان کا چہرہ چمک اٹھا۔ "اللہ تمہیں خوش رکھے بیٹو! میں تیری پھوپھو کو لکھتا ہوں تیرے لئے لڑکی تلاش کرے۔" بابا خوش تھے' اماں بھی' لیکن میرے اندر تو سناٹے اتر آئے تھے۔ میں جوئے سے بھاگنے لگا' کترانے لگا' وہ حیران تھی۔ "کیا ہو گیا ہے تمہیں حوبیب!" ایک دن اس نے مجھے میرے کلینک میں پکڑ لیا۔ میں نے نظریں چرالیں۔ حالانکہ جب وہ مجھے ہونٹ گول کر کے حوبیب کہتی تھی' تو مجھے بہت اچھا لگتا تھا۔ "کچھ نہیں' بس مصروف تھا۔"

"صرف مصروف تھے' یا کچھ اور بات تھی؟" وہ تو میرے اندر اتر جاتی تھی۔ "یہ بابا نے کیا مانگ لیا تھا مجھ سے' میری زندگی' میرے دل کی ویرانی۔" میں وہاں رہ کر جوئے کا سامنا نہیں کر سکتا تھا۔ مجھے اپنے آپ سے خوف آتا تھا کہ کہیں میں اپنے وعدے سے پھر نہ جاؤں' کہیں کسی کمزور لمحے میں ایسا کچھ کر بیٹھوں کہ پھر بابا سے نظر نہ ملا پاؤں۔ سو میں نے پاکستان آنے کا فیصلہ کر لیا۔ بابا بہت خوش ہوئے تھے۔ "تم جاؤ' ہم بھی جلد آجائیں گے۔" بابا کا بائی پاس ہونا تھا۔ اماں نے صرف اتنا کہا۔ "میرا دل تو دو لخت ہو جائے گا نا احسن صاحب! آدھا یہاں' آدھا وہاں۔ یہاں رہے تو حبیب کا خیال' وہاں ہوئے تو اسد کی تڑپ۔" "ٹھنڈی ٹھنڈی سانسیں تو تم ہی بھرتی تھیں' حالانکہ جتنا سکھ عاشی نے تمہیں دیا' اتنا۔۔۔" بابا' اماں سے کہہ رہے تھے' لیکن میں سوچ رہا تھا' اور جو میرا دل سخت ہو گیا ہے۔ وہ بابا نے میرے کندھے پر ہاتھ رکھا۔ "پاکستان ہمارا پیارا ملک ہے' ہمارا اپنا۔ وہاں کا کچھ بھی اجنبی نہیں ہے حبیب! تم وہاں کچھ نہ بھی کرو تب بھی اتنی جائیداد اور زمین ہے میری وہاں کہ گھر بیٹھے ساری زندگی کھاتے رہو' صرف اسلام آباد کے بنگلوں کا ہی کرایہ کافی ہے۔"

وہ سمجھ رہے تھے کہ میں اس لئے افسردہ ہوں کہ مجھے اپنے مستقبل کا خوف ہے۔ میں نے عمر کے اٹھارہ سال پاکستان میں گزارے تھے۔ مجھے بھی بابا کی طرح پاکستان سے بہت محبت تھی۔ اگر کوئی پاکستان کے متعلق غلط بات بھی کرتا

تھا' تو میرا جی چاہتا تھا کہ اس کا منہ نوچ لوں۔ برائی کہاں نہیں ہے' اور یہ برائیاں پیدا کون کرتا ہے؟ میں جو وہاں ٹھہرا ہوا تھا' تو صرف اس لئے کہ جو نے مجھے ان دیکھی زنجیروں میں باندھ رکھا تھا' اور اب جب میں نے یہ زنجیریں توڑ دی تھیں' تو پیچھے مڑ کر نہ دیکھا۔ اسے اپنے جانے کا بتایا تک نہیں' لیکن پتا نہیں اسے کیسے پتا چل گیا تھا۔ جب میں بورڈنگ کے لئے جا رہا تھا' تو میں نے لاؤنج کے شیشے کے پیچھے سے اسے دیکھا۔ وہ متوحش نظروں سے اِدھر اُدھر دیکھ رہی تھی' پھر جیسے اس نے مجھے دیکھ لیا۔ وہ ہاتھ ہلا رہی تھی' وہ رو رہی تھی۔ میں نے اس کے ہونٹوں کو ہلتے ہوئے دیکھا۔ شاید وہ کچھ کہہ بھی رہی تھی۔ میں تیزی سے آگے بڑھ گیا' اور پھر کتنے ہی دن خود کو سمجھاتا رہا۔ میں نے کب اس سے کہا تھا کہ میں اس سے شادی کروں گا' ہمیشہ اس کے ساتھ رہوں گا' ہم تو بس دوست تھے۔ "اگر صرف دوست تھے تو پھر اسے بتائے بغیر کیوں بھاگ آئے؟" کوئی میرے اندر سے ہی مجھے ٹوکے لگتا' لیکن بہر حال میں نے خود کو سنبھال لیا۔ بابا اور اماں بھی بابا کے بائی پاس کے بعد آگئے تھے۔ میں نے کلینک بنا لیا تھا۔ گو میں کوئی خاص کامیاب نہیں تھا۔ دراصل تب ہمارے ملک میں نفسیاتی عوارض کا علاج کرانے کا کوئی خاص رجحان نہ تھا۔ ایلوپیتھک علاج سے ناکام ہو کر خود بخود ہی یہ فرض کر لیا جاتا تھا کہ جادو ہے یا جنات کا اثر ہو گیا ہے۔ گو اب بھی حالات کچھ زیادہ تبدیل نہیں ہوئے' تاہم پہلے سے بہتر ہیں' اور وہاں تو مریضوں کا تانتا لگا رہتا تھا

جیسے ہر ایک کو نفسیاتی پرابلم تھا۔ اپنے ہی گھر میں محرم رشتوں سے خوفزدہ بچیاں' تنہائی کا شمار بوڑھے' شوہر کا تشدد برداشت کرنے والی بیویاں' شادی کر کے گھر بسانے اور مائیں کہلانے کی خواہش مند عورتیں۔ غرض اس ترقی یافتہ ملک میں نفسیاتی مریضوں کی کمی نہ تھی' لیکن یہاں میں سارا دن تقریباً فارغ بیٹھا رہتا تھا' تب میرے دوست ڈاکٹر مظہر حسین نے مجھے مشورہ دیا کہ میں فونٹین ہاؤس کو رضا کارانہ طور پر جوائن کر لوں' نہیں تو میری صلاحیتوں کو زنگ لگ جائے گا' میں بہت جلد اکتا جاؤں گا۔ مجھے مظہر کا مشورہ پسند آیا تھا۔ وہ خود بھی نفسیاتی عوارض کا معالج تھا' اور گلبرگ میں اس کا کلینک تھا' اور وہ خاصا معروف بھی تھا۔ اس کے توسط سے ہی کچھ مریض میرے پاس آئے تھے' جن میں دو ابھی میرے زیرِ علاج تھے۔ ایک مسز ملک کسی مل اونر کی بیوی۔ اس کا مسئلہ یہ تھا کہ اس کے پاس کرنے کو کوئی کام نہ تھا۔ بچے جوان تھے اور شوہر کسی اور لڑکی میں دلچسپی لے رہا تھا۔ دوسرا ایک گورنمنٹ آفیسر جو بیوی اور ماں کے درمیان گھن چکر بنا ہوا تھا۔ ماں کے پاس جاتا تو وہ بیوی کے خلاف بولتی اور بیوی ماں کے اس کے ساتھ'

سلنگ کے دوران مجھے عاشی بھابی کا خیال آیا' اور پھر جو کا' لیکن مجھے تو بابا سے کیا وعدہ نبھانا تھا۔ فاؤنٹین ہاؤس جوائن کرنے سے مجھے ایک مصروفیت مل گئی تھی۔ میں فونٹین ہاؤس جانے کے لیے ہی اپنے کلینک سے نکلا تھا' جب میں نے ملائکہ کو روتے دیکھا تھا۔ ملائکہ جا چکی تھی' اور میں وہیں کھڑا تھا۔ میں سر جھٹک کر اپنی گاڑی کی طرف بڑھ گیا۔ میں جب یہاں سے گیا تھا' تب کے اور اب کے پاکستان میں بہت فرق آچکا تھا' لیکن صرف اتنا فرق کہ جیسے کوئی معصوم سیدھا سادا دیہاتی بچہ شہر میں آکر ویسا ہی ہو جائے۔ بڑے بڑے پلازہ اور مارکیٹیں بن گئی تھیں۔ گاڑیوں کی بہتات تھی' آبادی بڑھ گئی تھی۔ نوکریاں کرتی تھیں اور خاصی پر اعتماد ہو گئی تھیں۔ سبھی گھروں میں ڈش لگ گئی تھی۔ بہت

کچھ بدلنے کے بعد بھی بہت کچھ ویسا ہی تھا' لیکن اب سات سال بعد تو اور بھی سب کچھ بدل گیا ہے۔ اتنا کچھ کہ کبھی کبھی میں حیران رہ جاتا ہوں۔ تقریباً ہر گھر میں کیبل موجود ہے' سڑک پر چھابہ لگا کر پکوڑے بیچنے والے سے لے کر سبزی بیچنے والا بھی کیبل سے لطف اندوز ہو رہا ہے۔ بھلے وہ بچوں کو اچھا لباس یا تعلیم نہ دے سکے' لیکن کیبل کی تفریح ضرور مہیا کر رہا ہے۔ میں جب بھی لبرٹی یا کسی بھی مارکیٹ کی طرف جا نکلتا ہوں' تو مجھے پتا چلتا کہ میں کس ملک میں ہوں۔ لڑکیاں جینز اور ٹی شرٹ پہنے دوپٹوں سے بے نیاز نظر آتی ہیں۔ شادی بیاہ کی تقاریب میں لڑکیاں ماتھے پر بندیا لگاتی ہیں۔ مجھے یاد ہے ایک بار میری کزن نے اپنے سکول کی کسی پارٹی میں شرکت کے لیے ماتھے پر بندیا لگائی۔ آنٹی نے دیکھا تو ڈانٹ دیا۔ "فوراً اتار دو اسے' تم ہندو نہیں ہو' اور ابھی کل کی بات ہے۔ میں اسلام آباد گیا تو ایک دوست سے سنا کہ اب پاکستان میں بار ہاؤسز اور کیسینو بنائے جا رہے ہیں۔ ملک کے ہر بڑے شہر میں۔ "کیا ہم میں اور دوسروں میں کوئی فرق نہیں رہا؟" میں نے بے اختیار اس حکمران کو خراج تحسین پیش کیا جس نے بہت پہلے ملک میں شراب بیچنے پر پابندی عائد کی تھی۔ معاف کیجیے گا یہ میں کن باتوں میں الجھ گیا ہوں۔ میں آپ کو ملائکہ کے متعلق بتا رہا تھا کہ پہلی بار میں نے ملائکہ کو کب دیکھا تھا' اور کیسے انوکھے انداز میں آج جب میں اس کی کہانی لکھ رہا ہوں' تو وہ منظر میری آنکھوں کے سامنے آ رہا ہے۔ گاڑی سے ٹیک لگائے روتی ہوئی اور پھر کھڑکی سے سر اندر کیے چیختی ہوئی ملائکہ محب اللہ خان کو اس وقت بھی میں کئی روز تک سوچتا رہا تھا۔

مجھے حیرت ہوتی' وہ یوں سرعام کھڑی کیوں رو رہی تھی' اور وہ عورت جو خود کو اس کی ماں کہہ رہی تھی' وہ ہرگز اس کی ماں نہیں لگتی تھی۔ اتنی نفیس اور ایجوکیٹڈ عورت کی ماں اتنی جاہل اور بدتمیز۔۔۔ بہت سارے دن میں اس کے متعلق سوچتا رہا۔ رات کو جب میں بستر پر لیٹتا تو جائمہ کے ساتھ وہ بھی میرے تصور میں آجاتی۔ آخر کیا تھا اس میں۔ ماضی کی ایک اداکارہ اور جو تو جو تھی۔ میں اسے چاہتے ہوئے بھی بھلا نہیں پا رہا تھا۔ آخر کیا کمی تھی جو میں' لیکن بابا۔۔۔ بابا' عاشی بھابی کی بہت تعریف کرتے تھے۔ اس کے باوجود انہوں نے مجھ سے کہا تھا کہ میں پاکستانی لڑکی سے شادی کروں۔ شاید وہ چاہتے ہوں کہ میرا رشتہ پاکستان سے جڑا رہے۔ شاید ایسی ہی کسی آس پر انہوں نے پاکستان میں اپنی پراپرٹی فروخت نہیں کی تھی۔ بابا خوش تھے' اور شاید اماں بھی' اور میں ان کی خوشی میں خوش تھا' اور خود کو بہلا تا رہتا کہ میں نے بالکل صحیح فیصلہ کیا ہے۔ میرا ایک مصری دوست عبدالماجد اکثر کہا کرتا تھا' کہ پاکستانی مرد بہت خوش قسمت ہوتے ہیں' اس لئے کہ پاکستانی عورت دنیا کی ساری عورتوں کے مقابلے میں اچھی بیوی ہوتی ہے۔ ہاں شاید میں بھی خوش قسمت تھا۔ اماں نے میرے لئے لڑکی پسند کر لی تھی۔ میری پھوپھو کی نند کی بیٹی مریم سب ہی اس کی تعریف کرتے تھے' مگر میں نے کبھی دلچسپی نہیں لی تھی۔ "ٹھیک ہے اماں! آپ کو جو پسند ہو۔" رشتہ کرنے سے پہلے اماں نے مجھے بتایا' تو میں نے کہہ دیا' لیکن پھر یوں ہوا کہ فوری طور پر ادھر سے ہاں نہ ہو سکی' کیونکہ اس کے والد اور بھائی ملک سے باہر تھے۔ طے یہ ہوا تھا کہ وہ آجائیں تو مجھ سے ملنے کے بعد فیصلہ کریں گے۔

میری سمجھ میں نہ آیا کہ میں اب کیا کہوں۔ "میں معذرت خواہ ہوں کہ اس روز آپ سے۔۔۔" "کوئی بات نہیں۔" اب کے میں نے اس کی بات کاٹ دی۔ "میری غلطی تھی' مجھے اس طرح آپ کے پرسنل معاملات میں دخل نہیں دینا چاہئے تھا۔" "جب کوئی میری طرح حرکت کرے' سرِ راہ کھڑے ہو کر رونے کی تو۔۔۔ غلطی تو میری ہے نا۔" اس نے ذرا کی ذرا نظریں اٹھائیں۔ اس کی آنکھوں کا رنگ کیسا تھا' شاید براؤن' شاید گرے' نہیں بلکہ براؤن ہی تھا' اور ان میں عجب سا سنہرا پن تھا۔ اس نے کوئی میک اپ نہیں کیا ہوا تھا' یا پھر اگر تھا بھی تو اتنا لائٹ کہ محسوس ہی نہ ہوتا تھا۔ اس کی پلکیں بغیر مسکارے کے ہی بے حد خوبصورت تھیں۔ اس کے ہونٹوں کے گلابی پن کو کسی لپ سٹک کی حاجت نہ تھی۔ وہ آج سفید لباس میں تھی۔ سفید شلوار قمیص اور بڑا سا دوپٹہ۔ سادگی میں بھی عجب پرکاری تھی۔ "دراصل میں۔۔۔" ایک معمولی سے وقفے کے بعد اس نے پھر میری طرف دیکھا۔ "آپ جانتے ہیں' میں کون

ہوں؟" "میرا خیال ہے آپ ملائکہ ہیں' ملائکہ محب اللہ۔" میں نے کسی قدر جھجکتے ہوئے کہا۔ "آپ اتنی بے یقینی سے کیوں کہہ رہے ہیں کہ میں ملائکہ ہوں۔ کیا چھ سات سال اتنا زیادہ عرصہ ہوتا ہے کہ لوگ مجھے بھول جائیں۔ مجھے "ملائکہ محب اللہ خان کو جس کی وجہ سے ٹی وی ڈرامہ کامیاب ہوتا تھا۔

اس کے لہجے میں یکدم تیزی آئی تھی۔ میں نے کسی قدر ندامت سے کہا۔ "ایسا نہیں ہے مس ملائکہ' لوگ آپ کو ہر گز نہ بھولے ہوں گے۔ مجھے بھی دیکھئے کہ میں نے صرف ایک یا دو ڈراموں میں دیکھا' پھر بھی پہچان لیا۔ ایکچوئلی! میں ملک سے باہر رہا ہوں۔ ابھی تھوڑا عرصہ ہوا مجھے وطن آئے۔" "او اچھا' تو آپ کہاں رہے ہیں؟" اس کے ماتھے کے بل ختم ہوئے۔ "امریکہ میں۔" "اور یہاں کیوں آگئے؟" "بس وطن کی محبت کھینچ لائی۔" میں مسکرایا۔ "آپ بتایئے' آپ نے کیسے زحمت کی؟" "ایک تو آپ سے معذرت کرنا تھی۔ دوسرے آپ نے بتایا تھا کہ آپ سائیکاٹرسٹ ہیں۔ میں اپنے علاج کے لئے آئی ہوں۔ ڈاکٹر حبیب! کیا آپ مجھے ٹائم دے سکیں گے؟" "وائے ناٹ۔" میں نے سوچا۔ میرا اندازہ ٹھیک تھا کہ یہ لڑکی نفسیاتی مریض ہے۔ "لیکن آپ جانتی ہیں کہ اس میں سب سے اہم چیز پیشنٹ کا تعاون ہے۔ آپ کو اپنے مسئلے کے علاوہ اپنے متعلق سب کچھ بتانا ہو گا' ایمانداری کے ساتھ' اس "طرح ٹریٹمنٹ میں آسانی رہتی ہے۔

ہاں' میں یہ سب سوچ کر ہی یہاں آئی ہوں۔ دو سال پہلے میں علاج کے سلسلے میں ایک ڈاکٹر کے پاس گئی تھی' لیکن پھر علاج ادھورا ہی چھوڑ دیا۔" "جی بتایئے' کیا مسئلہ ہے آپ کو؟" میں نے پیشہ ورانہ انداز میں پوچھا۔ "کبھی میرا دل چاہتا ہے ڈاکٹر حبیب! کہ میں ساری دنیا کو توڑ پھوڑ کر تباہ کر دوں' کبھی میرا جی چاہتا ہے کہ میں قتل کر دوں' خاص طور پر اپنی پھوپھی کو اور کبھی میرا دل چاہتا ہے' میں سمندر میں چھلانگ لگا دوں' خودکشی کر لوں' زندگی ختم کر لوں اپنی۔" اس کے چہرے پر کرب پھیل گیا' اور آنکھوں کی جھیلیں نم ہو گئیں۔ میں نے اس کے درد کو اپنے دل میں اُترتا محسوس کیا۔ "آخر آپ کے دل میں اس طرح کا خیال کیوں آتا ہے؟ آپ کو کیا شکایت ہے دنیا سے؟" "مجھے دنیا سے کیا شکایت ہے؟" وہ عجیب طرح سے ہنسی۔ "ایک نہیں' ڈاکٹر حبیب! مجھے دنیا سے بہت سی شکایتیں ہیں۔" "مثلاً؟" میں نے دلچسپی سے اسے دیکھا۔ "اس دنیا نے میری قدر نہیں کی' میرے ٹیلنٹ کی۔ دیکھو کتنی

جلدی بھلا دیا ہے سب نے مجھے۔ ابھی پچھلے دنوں ٹی وی کی سلور جوبلی منائی گئی' اور مجھے کسی نے نہیں بلایا' یاد تک نہیں کیا۔ حالانکہ ایرے غیرے سب مدعو تھے۔" "ہو سکتا ہے مس ملائکہ! ان کے پاس آپ کا ایڈریس نہ ہو' لیکن میرا خیال ہے جب بھی ٹی وی ڈرامے کا ذکر ہوتا ہے' آپ کا نام ضرور آتا ہے۔ لوگ آپ کا ذکر کرتے ہیں۔

میں نے اس کی تردید کی تو ایک لمحہ کو وہ خاموش ہو گئی' لیکن کچھ دیر بعد سر اٹھا کر میری طرف دیکھا۔ "ڈاکٹر حبیب! آپ نہیں جانتے' آپ بالکل نہیں جانتے۔ یہاں کے لوگوں کو' ان کی سیاست کو۔ یہ جو پیچھے ہیں پروڈیوسروں کے یہ سب۔۔۔" پھر وہ منہ ہی منہ میں کچھ بڑبڑا کر چپ ہو گئی۔ "چلئے۔" میں بہت ہلکے پھلکے انداز میں باتیں کر رہا تھا۔ "دنیا کا تو قصور ہے کہ انہوں نے آپ جیسی باصلاحیت فنکارہ کو بھلا دیا' لیکن یہ اپنی "پھوپھی" کو کیوں قتل کرنا چاہتی ہیں آپ؟" "پھوپھی۔۔۔" اس نے دونوں مٹھیاں بھینچیں۔ اس کے چہرے کا رنگ سرخ ہو گیا۔ اس پھوپھی نے مجھے میری ماں سے چھین لیا تھا۔ اس وقت جب میں صرف تین سال کی تھی یا دو کی۔ میرے باپ نے میری ماں کو طلاق دے دی تھی۔ ماں کے بعد اسی پھوپھی نے مجھے پالا' پڑھایا اور وہ کہتی تھی کہ وہ مجھے اپنی بہو بنائے گی' لیکن اس نے ایسا نہیں کیا۔ بھلا کیا کمی تھی مجھ میں ڈاکٹر حبیب! کیا کوئی کمی ہے؟" وہ یکدم کھڑی ہو گئی اور پورے کمرے میں کیٹ واک کرتی ہوئی پھر اپنی جگہ پر بیٹھ گئی۔ "لیکن اس نے مجھے رد کر دیا ڈاکٹر حبیب! یو نو' اس نے مجھے۔۔۔ ملائکہ کو رد کر دیا' اور پھر میں اپنی ماں کے پاس چلی گئی' لیکن پھوپھی نے مجھے روکا نہیں' ایک بار بھی نہیں۔ عرفان نے مجھے رد کر دیا تھا' تو کیا پھوپھی اپنے خاندان کے کسی بھی لڑکے سے میری شادی نہیں کر سکتی تھی' لیکن اس نے ایسا نہیں کیا ڈاکٹر حبیب! اس نے۔۔۔ اور یہ پھوپھی

بہت ظالم ہے۔ میری ماں سے مجھے چھیننے والی' ماں سے محروم کرنے والی۔ میں اسے قتل کرنا چاہتی ہوں' سچ مچ حبیب۔" اس نے ڈاکٹر کا سابقہ خود ہی ہٹا دیا۔ اب آنسو سرمئی جھیلوں کے کناروں سے باہر نکل آئے تھے۔ "اور میں۔۔۔" اس نے مٹھیاں بھینچیں' کھولیں اور کہنیاں ٹیبل پر سے ٹکاتے ہوئے آگے جھکی۔ میں اس کے بالکل مقابل ٹیبل کے دوسری طرف بیٹھا تھا۔ میں نے یکدم نگاہیں جھکا لیں۔ "میں سوچتی ہوں کہ میں مر جاؤں۔ میں بھلا اب جی کر کیا کروں گی۔ مجھے گھن آتی ہے اپنے آپ سے' اپنے وجود سے' جانتے ہو حبیب کیوں؟" میں نے نفی

میں سر ہلا دیا۔ "اس لیے کہ اس کمینے ممتاز نے مجھے اپنی حویلی میں بند کر دیا تھا' پورا ایک ماہ بند رکھا۔ " میں چونکا۔ یہ کیا کہہ رہی تھی وہ۔ "وہ میرے باپ کے خاندان کا تھا۔ اس نے مجھ سے کہا کہ وہ مجھے میرے باپ سے ملوا سکتا ہے' اس لئے میں اس سے ملنے اس کی حویلی میں گئی تھی' اور اس نے مجھے اپنے گھر میں بند کر دیا۔ وہ کہتا تھا' اس کے خاندان کی لڑکیاں یوں گلیوں میں' ٹی وی سٹیشنوں پر اور سٹوڈیوز میں لور لور نہیں پھرتیں اور یہ صحافی۔۔۔ گدھے انہوں نے لکھا میں نے ممتاز ملک سے شادی کر لی ہے' اور اب ممتاز ملک نے مجھ پر ٹی وی پر کام کرنے کی پابندی لگا دی ہے۔ یہ صحافیوں کی قوم کہانیاں گھڑنے میں ماہر ہوتی ہے۔ میں جینا نہیں چاہتی حبیب! مرنا چاہتی ہوں' مرنا چاہتی ہوں۔" وہ یکدم زور زور سے چیخ چیخ کر رونے لگی۔ میں گھبرا کر میز کے پیچھے سے نکل آیا۔

ریلیکس مس ملائکہ پلیز۔۔۔ " لیکن وہ چیخنے لگی۔ اس نے میرے گریبان کو پکڑ کر کھینچا۔ "تم ڈاکٹر ہو' مجھے کچھ ایسا دے دو کہ میں سکون پا لوں' ابدی سکون۔ " میں نے اس کے دونوں ہاتھ بے اختیار پکڑ کر اپنا گریبان چھڑا لیا۔
"دیکھئے مس ملائکہ! یہ زندگی اتنی ارزاں نہیں ہے کہ اسے معمولی باتوں پر ضائع کر دیا جائے۔ کبھی کبھی زندگی انسان سے یوں ہی کھیل کھیلتی ہے۔ " میں ہولے ہولے بول رہا تھا' اس کے بالکل قریب کھڑا' وہ پوری آنکھیں کھولے مجھے سن رہی تھی۔ اس کے لباس سے بڑی مسحور کن خوشبو اٹھ رہی تھی۔ اس کی قربت سے میں پگھلنے لگا' تو یکدم اس کے ہاتھ چھوڑ کر پیچھے ہٹ گیا۔ "بیٹھئے مس ملائکہ! آپ کا مسئلہ کوئی اتنا سنگین نہیں ہے۔ آپ کو زندہ رہنے کی خواہش نہیں ہے۔ میرے پاس ایسے مریض بھی آتے رہے ہیں' جنہوں نے ایک نہیں کئی بار خودکشی کی کوشش کی' لیکن بفضل خدا اب ٹھیک ٹھاک خوش و خرم زندگی گزار رہے ہیں۔ آپ بھی بہت جلد اس صورت حال سے نکل آئیں گی۔ " "اچھا۔۔۔ " اس کی آنکھوں میں حیرت تھی' اور اس کے چہرے پر فطری معصومیت تھی۔ میں نے اپنے دل میں اس کے لئے بے حد ہمدردی محسوس کی۔ "آپ ایک ذہین اور خوبصورت لڑکی ہیں' اور زندگی یقیناً اپنے ہاتھوں میں آپ کے لئے پھول لئے منتظر ہے۔ ہو سکتا ہے آنے والے دنوں میں ایک بار پھر ٹی وی کی سکرین پر آپ کا

راج ہو۔ " اس کی آنکھیں چمکنے لگیں۔ بھیگے بھیگے رخساروں اور بھیگی پلکوں کے ساتھ مسکراتی ہوئی وہ بہت اچھی لگی۔ وہ بلاشبہ بہت خوبصورت تھی۔ میں نے دل ہی دل میں اسے سراہا' اور پھر مس فاطمہ کو بلا کر اس کی فائل بنانے کو کہا۔

شیڈول بھی طے ہو گیا کہ اس ماہ میری اس کے ساتھ چار سٹنگز ہوں گی۔ ہر ہفتے اسے کلینک آنا ہو گا' پھر اگلے ماہ ہم یہ سٹنگز ایک ماہ میں دو کریں گے' اور پھر ہر ماہ ایک' لیکن حالات کے مطابق اس میں کمی بیشی بھی ہو سکتی ہے۔

"او کے۔۔۔" وہ خدا حافظ کہہ کر چلی گئی' اور کمرہ کتنی ہی دیر اس کی خوشبو سے مہکتا رہا۔ ایک بار پھر میں اسے سوچ رہا تھا۔ اس نے جو کچھ بتایا تھا' اس میں کتنا سچ تھا' اور کتنا جھوٹ میں نہیں جانتا تھا' لیکن مجھے اس پر ترس آ رہا تھا۔ ایک اچھے خاندان کی پڑھی لکھی لڑکی ضائع ہو رہی تھی۔ میں نے بہت خلوص سے اس کے متعلق نوٹس بنائے' اور کافی دیر مطالعہ کرتا رہا۔ بہت کچھ تشنہ تھا' اور آئندہ ہونے والی ملاقاتوں میں شاید میں اسے اس خود ترسی سے نکال لیتا' اور شاید وہ کچھ مزید بھی اپنے متعلق بتاتی' لیکن آئندہ کی تین چار سٹنگز میں اس نے مزید کچھ نہیں بتایا تھا۔ البتہ اس کے بیانات میں کچھ تضاد آ گیا تھا۔ ایک روز اس نے بتایا کہ وہ جب اپنی ماں سے ملی' تو ماں نے اس سے کہا۔ وہ پھوپھی کا گھر چھوڑ کر اس کے پاس آ جائے' اور پھوپھی اس بات پر ناراض ہو گئی۔ کبھی تو وہ پھوپھی کو برا بھلا کہنے لگتی کہ اس کی اس حالت کی وہ ذمہ دار ہے' اور کبھی کہتی۔۔۔ نہیں' اس کا قصور نہیں ہے۔

ایک روز اس نے کہا۔ وہ ممتاز ملک سے محبت کرنے لگی تھی' اس لئے اس کے پیچھے گئی تھی اس کی حویلی میں' لیکن وہ حویلی کی پابندیوں میں رہ نہیں سکتی تھی' اس لئے واپس چلی آئی۔ اس کے بیانات بدلتے رہتے تھے۔ میں اسے ٹوکے بغیر خاموشی سے سنتا رہتا تھا۔ ایک روز میں نے اس سے پوچھا کہ اس کی پھوپھی اب کہاں ہے' تو اس نے بتایا کہ وہ اپنے بیٹے کے پاس کینیڈا چلی گئی ہے۔ اس روز وہ بہت روئی۔ "کیا تھا اگر وہ مجھے بھی ساتھ لے جاتی' لیکن وہ مجھے ساتھ لے کر نہیں گئی۔ وہ مجھے یہیں چھوڑ گئی رلنے اور دھکے کھانے کیلئے۔" اسے میرے کلینک میں آتے ہوئے دو ماہ ہو گئے تھے' لیکن میں ابھی تک اس کو سمجھ نہیں پا رہا تھا۔ ایک روز وہ ایک بات کہتی تو دوسرے روز خود ہی اسے رد کر دیتی تھی۔ میں نے محسوس کیا تھا کہ وہ سب کچھ سچ نہیں کہہ رہی ہے' کہیں کچھ جھوٹ بھی ہے' یا سب ہی جھوٹ ہے۔ ایک روز کلینک میں آئی تو بہت سجی سنوری تھی۔ بلیو کلر کی ساڑھی باندھے سچ مچ دمک رہی تھی۔ اس روز کے شیڈول میں اس کی سٹنگ نہ تھی۔ میں تقریباً فارغ ہی تھا۔ "تم فارغ ہو حبیب!" وہ بہت جلد آپ سے تم پر آ گئی تھی۔ "تقریباً۔" "تو چل کہیں لنچ کرتے ہیں' کسی اچھی جگہ پر۔ آج بڑے دنوں بعد میرا جی چاہا ہے کہ میں زندگی کو انجوائے کروں دیر تک ڈرائیو کروں' اچھا سا لنچ کروں' گانے سنوں' زندگی

بہت خوبصورت ہے نا حبیب! اور موت بہت بھیانک۔" اس نے جھرجھری لی۔ میں اس کے ساتھ یوں باہر جاتے ہوئے جھجکا۔ وہ ایک معروف اداکارہ تھی اور سکینڈل بنتے دیر ہی کتنی لگتی ہے' لیکن وہ اداکارہ ہونے کے ساتھ ساتھ میری مریضہ بھی تھی۔ اس وقت اس کی آنکھوں میں جو چمک اور ہونٹوں پر جس طرح زندگی مسکرا رہی تھی' میں اس سے نظریں نہیں چرا سکتا تھا۔ اس کے اندر اگر جینے کی' زندہ رہنے کی اُمنگ جاگی تھی' تو میں اسے دوبارہ موت کی طرف نہیں دھکیل سکتا تھا۔ سو میں خاموشی سے اٹھ کھڑا ہوا۔ اس کی گاڑی ہم نے پارکنگ میں ہی چھوڑ دی تھی' اور وہ میرے ساتھ میری گاڑی میں تھی۔ اس روز وہ بہت خوش تھی۔ اس روز اس نے بہت باتیں کیں' اور میں حیرت سے اسے سنتا رہا۔ وہ بہت خوبصورت باتیں کر رہی تھی۔ اس کا لہجہ بھی ویسا ہی تھا' دھیما' ٹھہرا ٹھہرا سا' جیسا کہ میں نے ایک بار ٹی وی پر سنا تھا۔ اسے باتیں کرنے اور مخاطب کو اسیر کرنے کا ہنر آتا تھا۔ میں نے دل ہی دل میں اعتراف کیا۔ "میں آج بہت خوش ہوں حبیب! اس طرح تمہارے ساتھ یہاں لنچ کرنا' یہ سب بہت اچھا لگ رہا ہے مجھے۔" اس نے کتنی ہی بار دہرایا۔ اس رات جب میں بستر پر لیٹا' تو میری آنکھوں کے سامنے کئی بار اس کا سراپا لہرایا۔ "کون کہہ سکتا ہے یہ اتنی معصوم اور سادہ دل لڑکی شوبز سے تعلق رکھتی ہے۔ آج وہ کتنی خوش ہو گئی تھی۔ میرے ایک بار اس کے ساتھ چلے جانے سے اسے اگر خوشی مل گئی ہے تو میرا کیا گیا ہے۔" لیکن یہ صرف ایک بار کی بات نہ تھی' اب وہ اکثر اپائنٹمنٹ کے بغیر بھی آجاتی

تھی۔ میں مصروف ہوتا تو ہیلو ہائے کر کے چلی جاتی۔ فارغ ہوتا تو ہم باتیں کرتے رہتے۔ میں اسے اپنے امریکہ میں قیام کے دوران پیش آنے والے چھوٹے چھوٹے واقعات سناتا' اپنے مریضوں کے متعلق بتاتا۔ وہ بھی یوں ہی باتیں کرتی رہتی' اپنی سہیلیوں کی' اپنے چھوٹے بھائی کی' ماں کی' پھوپھی کی اور اپنے پھوپھی زاد سوتیلے باپ کا بھی ذکر کیا تھا' لیکن اس کے علاوہ اپنی ذات کے متعلق وہ زیادہ نہیں کھلتی تھی۔ ممتاز ملک کے متعلق اس نے دوبارہ بات نہیں کی تھی' اور نہ ہی اپنے سگے باپ کا ذکر کیا تھا۔ مجھے خبر بھی نہیں ہوئی تھی' اور وہ مریض کی حد سے نکل کر دوستی کے درجے تک پہنچ گئی تھی۔ "تم میرے بہت اچھے دوست ہو۔" جب وہ معصومیت سے اپنی آنکھیں پٹپٹا کر کہتی' تو میں سوچتا کہ کتنی عجیب بات ہے' پاکستانی لڑکیاں بھی اب لڑکوں کو دوست بنانے لگی ہیں۔ دراصل میرے ذہن

میں تو وہی تیرہ چودہ سال پہلے کا پاکستان تھا۔ ایک روز وہ مجھے اپنے گھر لے گئی۔ دراصل اس روز بھی میں اس کے بے حد اصرار پر لنچ کے لئے اس کے ساتھ جا رہا تھا' لیکن مجھے مظہر سے کام تھا' ایک مریض کی ضروری فائل اسے پہچانی تھی' جو مجھے ڈاکٹر مظہر نے دی تھی۔ کئی بار ایسا ہوتا تھا کہ وہ اپنے مریضوں سے متعلق مجھ سے ڈسکس کر لیتا تھا۔ سو ہم پہلے گلبرگ کی طرف چلے گئے۔ مظہر کا کلینک گلبرگ میں تھا۔

یہاں قریب ہی میرا گھر ہے۔" اس نے بتایا۔ "تو کیا خیال ہے آج لنچ باہر کرنے کے بجائے تمہارے گھر نہ کیا جائے۔" وہ ایک لمحہ کو خاموش ہوئی' اور پھر اثبات میں سر ہلا دیا۔ چھ سات منٹ بعد ہم اس کے گھر کے سامنے تھے۔ گھر اچھا تھا' لیکن گھر کے اندر بے ترتیبی سی تھی۔ ڈرائنگ روم میں کشن نیچے کارپٹ پر پڑے تھے۔ صوفوں کے کور میلے ہو رہے تھے۔ ڈیکوریشن پیسز پر مٹی کی تہیں جمی ہوئی تھیں۔ ٹی وی لاؤنج میں ایک دس گیارہ سال کا بچہ ویڈیو گیم لگائے بیٹھا تھا۔ اس نے ہمیں بس ایک دفعہ نظر اٹھا کر دیکھا تھا' اور پھر گیم میں مصروف ہو گیا تھا۔ بچہ بے حد خوبصورت تھا۔ میرا جی چاہا کہ میں رک کر اس سے بات کروں' لیکن ملائکہ تیزی سے ڈرائنگ روم کی طرف بڑھ گئی' تو میں بھی اس کے پیچھے اندر آگیا۔ "تم بیٹھو حبیب! میں اماں کو بتاتی ہوں۔ وہ اوپر ہوں گی بیڈ روم میں۔ فلم دیکھ رہی ہوں گی وی سی آر پر۔۔۔ بہت شوق ہے انہیں فلمیں دیکھنے کا۔" میں نے اس اثنا میں پورے ڈرائنگ روم کا جائزہ لے لیا تھا۔ کارپٹ پر بھی جگہ جگہ داغ لگے ہوئے تھے۔ چائے کے یا کسی اور چیز کے' میں نے اندازہ لگایا کہ ملائکہ کو گھر سے کوئی دلچسپی نہیں ہے۔ اب جب کہ اسے شوبز کو چھوڑے بھی سات سال ہو چکے ہیں کم از کم اس کے گھر۔۔۔ میں اتنی بے ترتیبی کی توقع نہیں کر رہا تھا۔ میں ابھی ڈرائنگ روم کا جائزہ لے ہی رہا تھا' کہ وہ اپنی ماں کے ساتھ آگئی۔ آج بھی اس روز کی طرح وہ بھڑکیلے رنگوں کے کپڑے پہنے ہوئے تھی۔ ہونٹوں پر تیز سرخ رنگ کی لپ سٹک تھی۔ اس روز کی طرح آج بھی میں نے سوچا تھا کہ وہ عورت ماں نہیں لگتی' پھر بھی میں احتراماً کھڑا ہو گیا۔

اماں! یہ ڈاکٹر حبیب ہیں۔ میں نے آپ سے ذکر کیا تھا نا۔" "اچھا۔۔۔ اچھا۔۔۔" اس نے ایک اچٹتی سی نظر مجھ پر ڈالی۔ "تم نے اتنا بوکھلایا کہ میں سمجھی رفیق صاحب آئے ہیں۔" "بیٹھے ڈاکٹر صاحب!" اب وہ مجھے دیکھ رہی تھی۔

میں بیٹھ گیا۔ ملائکہ لاؤنج میں جا کر ملازم لڑکے کو آوازیں دینے لگی' جب کہ اس کی اماں مجھے بغور دیکھ رہی تھی۔ "اچھا کاروبار چلتا ہے؟" "جی۔۔۔" مجھے اس کے سوال پر حیرت ہوئی۔ "میرا مطلب ہے کچھ مریض وغیرہ آتے رہتے ہیں؟" "ابھی تو سٹارٹ کیا ہے' زیادہ پیشنٹ نہیں ہیں۔" اس کے چہرے پر مایوسی کے رنگ بہت واضح تھے۔ تب ہی ملازم لڑکا کوک لے آیا۔ اب ملائکہ بھی اپنی اماں کے ساتھ آ کر بیٹھ گئی تھی۔ دونوں میں زمین آسمان کا تضاد تھا۔ گفتگو' لب و لہجہ' سب مختلف۔۔۔ انداز و اطوار' کیا یہ عورت سچ مچ اس کی ماں ہے۔ اگر ہے تو مجھے اس کی ماں کیوں نہیں لگ رہی' بلکہ وہ تو سرے سے مجھے ماں ہی نہیں لگتی۔" لیکن وہ ملائکہ کی ہی نہیں اس بے حد خوبصورت بچے کی بھی ماں تھی۔ جب ملائکہ نے بتایا کہ شیری بھائی ہے اس کا' تو مجھے بے حد حیرت

ہوئی۔ ملائکہ کی اور شیری کی عمر میں کم از کم اکیس بائیس سال کا تو فرق ضرور ہوگا۔ وہ دس گیارہ سال کا تھا۔ جب کہ ملائکہ نے مجھے اپنی عمر بتیس سال بتائی تھی۔ "دراصل۔۔۔" وہ میری حیرت پا گئی۔ "اماں کو جب ابا نے طلاق دے دی تھی' تو کئی سال اماں' ماموں کے گھر رہیں' لیکن کوئی بارہ سال پہلے ماموں نے اماں کی شادی کر دی تو شادی کے سال بھر بعد شیری پیدا ہوا۔" "اور تمہارے سوتیلے والد۔۔۔؟" میں نے پوچھا۔ "دو تین سال پہلے اماں نے ان سے علیحدگی لے لی۔ دراصل جب پھوپھی کے گھر سے میں اماں کے پاس آ گئی تو میرے سوتیلے والد نے اماں سے کہا کہ وہ مجھے واپس بھجوا دیں' تو بس اسی بات پر اماں کا جھگڑا ہو گیا۔ اب بس' شیری اور اماں ہیں بس۔۔۔" کھانا ہوٹل سے منگوایا گیا۔ غالباً مٹن کڑاہی اور قورمہ۔۔۔ ساتھ میں کھیر تھی۔ مجھے کچھ خاص مزہ نہ آیا۔ اس کی اماں کی باتیں مسلسل میرے اعصاب کو تھکا رہی تھیں۔ تھوڑی تھوڑی دیر بعد دونوں میں تلخ کلامی ہو جاتی تھی۔ اس کے انداز گفتگو میں شائستگی مفقود تھی۔ اس سے تو اچھا تھا کہ میں کسی ہوٹل میں ہی لنچ لے لیتا۔ اگرچہ ہر بار دعوت ملائکہ ہی دیتی تھی' لیکن بل میں ہی دیا کرتا تھا۔ "شکر ہے آج کچھ ڈھنگ کا کھانا کھایا۔" میں لاؤنج میں کھڑا شیری سے باتیں کرتے ہوئے ملائکہ کا انتظار کر رہا تھا۔ حسب معمول اس نے اپنی گاڑی میرے کلینک کے باہر پارکنگ میں چھوڑ دی تھی' اور میری گاڑی میں

یہاں تک آئی تھی۔ یہ اس کی اماں کی آواز تھی۔ "آہستہ بولو نا' حبیب سن لے گا۔" "سن لے' خود تو روز ہوٹلوں میں

عیش کرتی ہو' اور ہم یہاں قاسو کی پکائی سڑی ہوئی ماش کی دال اور آلو گوشت کا شوربہ کھا کھا کر۔۔۔" شیری زور زور سے ہنسنے لگا۔ ہنستے ہوئے وہ اور پیارا لگ رہا تھا۔ "اماں جھوٹ بولتی ہے۔ کل رات آپا سو گئی تھی' تو انکل رفیق کے ساتھ اماں ہوٹل سے کھانا کھا کر آئی تھی۔" اس نے رازدارانہ انداز میں سرگوشی کی' تو میں نے ہولے سے اس کے گال پر چٹکی بھری۔ "اور تم اپنی اماں کے راز کھول رہے ہو۔" "یہ تو آپ کو بتایا ہے' آپ آپا کو نہ بتانا۔ ورنہ دونوں میں لڑائی ہو جائے گی۔" "اچھا نہیں بتاؤں گا۔" میں نے وعدہ کیا تو وہ مسکرایا۔ واپس اپنی جگہ پر بیٹھ کر پھر سے ویڈیو گیم آن کرنے لگا۔ اس روز ملائکہ کو اس کی گاڑی کے پاس ڈراپ کرتے ہوئے میں نے سوچ لیا کہ آئندہ کبھی ملائکہ کے گھر نہیں جاؤں گا' لیکن چار دن بعد ہی مجھے اس کے گھر جانا پڑا۔ اس روز میں

کلینک پہنچا ہی تھا' کہ مجھے اس کا فون آیا۔ "حبیب! میں سلیپنگ پلز کھانے والی ہوں۔" "لیکن کیوں' کیا ہوا ابھی؟" میں نے گھبراہٹ کے باوجود لہجے کو خوشگوار رکھا۔ "بس مجھے اور نہیں جینا۔ یہ بھی کوئی زندگی ہے حبیب۔" اس کی آواز بھرائی ہوئی تھی۔ "تم میرے اچھے دوست ہو حبیب! تمہارے خلاف میرا اس دنیا میں اور کوئی نہیں۔ اس لئے تمہیں خدا حافظ کہنے کیلئے فون کیا ہے۔ خدا حافظ حبیب! تم بہت اچھے ہو' مجھے یاد رکھنا۔" "سنو ملائکہ!" لیکن اس نے فون بند کر دیا۔ میں نے تین چار بار اس کا نمبر ملایا' لیکن شاید اس نے ریسیور کریڈل سے ہٹا دیا تھا۔ دوسرے ہی لمحے میں اپنے کلینک سے نکلا' اور میری گاڑی آندھی طوفان کی طرح اس کے گھر کی طرف جا رہی تھی۔ ملازم لڑکے نے گیٹ کھولا' تو میں سیدھا گاڑی اندر لے گیا۔ پھر تقریباً بھاگتا ہوا ٹی وی لاؤنج میں داخل ہوا۔ ملازم لڑکا میرے پیچھے تھا۔ "ملائکہ کہاں ہے؟" "اوپر اپنے کمرے میں ہوں گی۔"

سیڑھیاں لاؤنج سے ہی اوپر جا رہی تھیں۔ میں بھاگتا ہوا سیڑھیاں چڑھتا چلا گیا' اور پھر ایک لمحہ رک کر میں نے ادھر اُدھر دیکھا۔ ایک بیڈ روم کا دروازہ نیم وا تھا۔ میں سیدھا اس کی طرف بڑھا۔ میرا اندازہ صحیح تھا۔ وہی ملائکہ کا بیڈ روم تھا۔ آسمانی رنگ کی نائٹی پہنے وہ بیڈ پر بیٹھی تھی۔ پانی کا گلاس اس کے ہاتھ میں تھا' اور ہتھیلی پر ڈھیر ساری گولیاں۔ "ملائکہ! یہ کیا کر رہی ہو؟" میں نے ہاتھ مار کر گولیاں گرا دیں۔ "تم' حبیب تم۔۔۔" "ہاں میں۔۔۔" میں نے اپنا چڑھا ہوا سانس درست کیا' اور اس کے سامنے بیٹھ گیا۔ "یہ کیا حماقت ہے؟" "یہ حماقت نہیں حبیب! یہ

کام جو میں آج کرنے والی ہوں' مجھے بہت پہلے کر لینا چاہیے تھا۔" "پاگل ہو تم۔۔۔" "میں پاگل نہیں ہوں' بتاؤ کیا ہے میرے لیے اس دنیا میں۔ کیا ملا ہے مجھے اور میں کس کے لیے جیوں۔ کوئی تو جواز ہو میرے پاس جینے کا' کوئی آسرا۔۔۔ کوئی محبت کی آس۔۔۔ کچھ تو۔۔۔

سرمئی جھیلوں کے کنارے پانیوں میں ڈوب گئے' اور میرا دل جیسے ان پانیوں میں ڈوب گیا۔ "تم مجھے اپنا دوست کہتی ہو ملائکہ' اور میرے ہوتے ہوئے تم یہ بھی کہہ رہی ہو کہ تمہارا کوئی نہیں۔۔۔ کیا میں کچھ نہیں۔" وہ کچھ دیر میری طرف دیکھتی رہی' پھر اس نے نظریں جھکا لیں۔ "عجیب تم۔۔۔" اس نے نچلے ہونٹ کا دایاں کونا دانتوں تلے دبا لیا' اور میرا دل چاہا کہ میں۔۔۔ میں۔۔۔ اس روز میں بہت دیر تک اس کے پاس بیٹھا رہا' اور جب اٹھا تو اس سے وعدہ لے چکا تھا کہ وہ آئندہ ایسا نہیں کرے گی۔ پھر اس کے بعد بھی دو تین بار اس کے گھر گیا۔ ایک بار جب شیریں سیڑھیوں سے گر گیا تھا' اور اس کی گاڑی ورکشاپ میں تھی' اور اس نے مجھے فون کیا تھا' اور دوبارہ جب وہ دو تین ہفتے تک سنگ میں نہیں آئی تو میں اس کی خیریت معلوم کرنے گیا تھا' اور جتنی بار بھی میں اس کے گھر گیا' اس کی ماں کو یونہی چمکیلے اور بھڑکیلے لباس میں دیکھا۔ میں نے یہ بھی اندازہ لگایا تھا' کہ باوجود تلخ کلامی کے ملائکہ اپنی ماں کی بات بہت مانتی تھی' لیکن اس کے زیر اثر تھی' اور غالباً یہ جو اس کی شخصیت میں الجھاؤ تھا' اس کی وجہ اس کی ماں کا رویہ ہی تھا۔ وہ اپنی ماں سے اختلاف بھی کرتی تھی' لیکن پھر اس کی بات آخر میں مان بھی لیتی تھی۔ ماں سے بات کرتے ہوئے اس کا لب و لہجہ یکدم بدل جاتا تھا' وہ اس سے اسی لہجے میں گفتگو کرتی تھی' جس میں اس کی ماں کرتی تھی۔ "اگر یہ اپنی ماں سے الگ ہو جائے' تو شاید اس کی شخصیت کی گرہیں کھل جائیں۔ کہیں کسی اور ماحول میں' لیکن کیسے۔۔۔ ؟کون اسے اس ماحول سے باہر نکالے۔ اگر ملائکہ کی

شادی ہو جائے کسی اچھے شخص سے' جو اسے محبت دے' جو اس کے ساتھ مخلص ہو' وہ جو اس کے اندر محبت کی طلب ہے' تشنگی ہے' وہ ختم ہو جائے تو یہ ایک نارمل زندگی گزار لے۔" کبھی کبھی وہ مجھے بے حد اپنا سی لگتی تھی' خاص طور پر جب وہ اپنی ماں سے تیز لہجے میں بولتی تھی تب۔۔۔ لیکن وہ شخص کون ہو سکتا ہے؟" میرے دل کی زمین پر اچانک ہی یہ خیال اگ آیا تھا۔ ایک لمحہ کے لیے تو اپنے اس خیال پر میں خود بھی حیرت زدہ رہ گیا تھا۔ کیا میں ملائکہ

سے شادی کر لوں؟ کیا میں اس سے محبت کرنے لگا ہوں؟ اور وہ جو' جو میرے دل میں دھرنا مارے بیٹھی ہے۔ نہیں' مجھے ملائکہ سے محبت نہیں ہمدردی ہے۔ میں اسے' اتنی پیاری لڑکی کو ضائع ہوتے نہیں دیکھ سکتا۔ ان دنوں وہ پھر غائب رہنے لگی تھی۔ وہ دو ہفتے کلینک آتی' نہ فون پر ملتی۔ اپنے شیڈول کے مطابق سٹنگ کے لئے بھی نہ آتی' تو میں جھنجھلا جاتا۔ "کہاں گم ہو ملائکہ؟" "کہیں نہیں۔۔۔" وہ گول مول سا جواب دیتی۔ "آج ڈنر یا لنچ کے لیے چلو۔" "آج موڈ نہیں۔" دو تین بار گھر گیا تو عجیب حلیے میں بیٹھی تھی۔ گندے میلے کپڑے' بکھرے الجھے بال۔ ""یہ کیا بوریت ہے ملائکہ۔

ان دنوں گھر میں ایک بار پھر اماں اور بابا کے درمیان میری شادی موضوع گفتگو بنی تھی۔ اماں نے کوئی لڑکی دیکھی تھی۔ "اچھی تو ہے' لیکن مریم جیسی نہیں۔" اماں کا اصرار تھا کہ جہاں اتنا انتظار کیا ہے تھوڑا اور کر لیں۔ آپا کہہ رہی تھیں کہ بھائی صاحب اگلے دو ماہ تک آنے والے ہیں۔" "اور یہ بھی ممکن ہے کہ وہ اپنے بھانجے کا پرپوزل قبول کر لیں۔ بیگم! یہ انتظار چھوڑو اور بس۔" "اچھا میں حبیب سے پوچھ لوں' پھر بات چلاتی ہوں۔" اور جب اماں نے مجھ سے پوچھا' تو میرے لبوں پر ملائکہ کا نام آتے آتے رہ گیا۔ "نہیں' اماں سے بات کرنے سے پہلے ملائکہ سے بات کر لوں۔" میں نے بالآخر اس سے شادی کرنے کا فیصلہ کر لیا تھا۔ اس روز فونٹین ہاؤس گیا' تو مجھے راجہ نوازش مل گیا۔ بچپن سے لے کر میٹرک تک ہم نے ایک ہی سکول میں پڑھا تھا۔ وہ آج کل کسی اخبار سے منسلک تھا' اور وہ بس ہنس دیتی۔ عجیب طرح کی ہنسی۔ "شاید وہ ایک بار پھر مایوس ہو" سروے کے سلسلے میں فونٹین ہاؤس آیا ہوا تھا۔ ہو رہی ہے۔" میں نے سوچا۔ "کہیں۔۔۔" میں گھبرا گیا۔ "کہیں وہ پھر خودکشی کی طرف مائل نہ ہو جائے۔" کتنی مشکلوں سے تو میں اسے زندگی کی طرف لایا تھا۔ تو۔۔۔ کیا میں۔۔۔

چند دن پہلے مظہر نے مجھے تیرا بتایا تھا' روز سوچتا ہی رہا تیری طرف آنے کو۔" وہ بڑی گرم جوشی سے ملا۔ سروے سے فارغ ہو کر ہم ایک کافی ہاؤس میں آبیٹھے۔ "کیسے ہو یار! اکیلے آئے ہو یا کوئی میم لائے ہو؟" وہ ہمیشہ کی طرح بے تکلف تھا' لگتا ہی نہیں تھا بیچ میں اتنے ماہ و سال بیت گئے ہیں۔ حالانکہ اسے پہچاننے میں مجھ کچھ دیر لگی تھی۔ "اکیلا ہوں۔۔۔" میں مسکرایا۔ "تم سناؤ۔۔۔" "میں تو دو عدد چیاؤں پیاؤں کا والد محترم بن چکا ہوں' تیسرے کی آمد

ہے۔" اس نے زوردار قہقہہ لگایا۔ "یعنی تم ابھی تک اپنی اس "نفری" بڑھانے والی تھیوری پر یقین رکھتے ہو۔" وہ فیملی پلاننگ کے خلاف لمبی لمبی تقریریں کرتا تھا۔ "بھئی میرا تو خیال ہے مسلمانوں کو نفری بڑھانی چاہئے۔ بے چارے یوں ہی ہر طرف مارے جارہے ہیں۔"

نہیں۔۔۔" وہ ہنس دیا۔ "تمہاری بھابی نے وارننگ دے دی ہے کہ یہ آخری ہوگا۔ ویسے یار تمہیں شادی کر لینا چاہئے۔" "سوچ رہا ہوں۔" "کوئی پسند کرلی ہے۔" "بس یہی سمجھ لو۔" "کیسی ہے' میری جان۔۔۔ کہاں ملی؟" نوازش بچوں کی طرح آنکھیں مٹکا رہا تھا۔ "اب الف سے یے تک بک دے بس۔" اس نے میری پیٹھ پر دھموکا جڑا۔ وہی پرانا انداز اور بالکل پہلے کی طرح' میں نے اسے سب کچھ بتادیا۔ وہ بچپن سے ہی میرا رازدار دوست تھا۔ یعنی تمہارا مطلب ہے کہ ملائکہ۔۔۔ ملائکہ محب اللہ خان۔۔۔ ماضی کی اداکارہ۔ "ہاں یار! وہ بڑی مظلوم لڑکی ہے' بتایا تو ہے میں نے تمہیں۔"

بکواس۔۔۔" اس نے میز پر زور سے ہاتھ مارا۔ "بالکل بکواس۔۔۔ جو کچھ تم نے بتایا ہے ستر فیصد جھوٹ ہے اس میں۔۔۔ ممتاز ملک ملائکہ محب اللہ کا دوسرا شوہر تھا' اور وہ بچہ شہریار' ملائکہ کا بیٹا ہے جسے وہ بھائی ظاہر کرتی ہے۔ پہلی شادی اس نے شوبز کی دنیا میں آنے سے پہلے کی تھی اپنے ماموں زادسے' اور یہ بچہ پہلی شادی سے ہے۔" میں ساکت بیٹھا تھا۔ "تم یہ کیسے جانتے ہو؟" میری آواز دھیمی تھی۔ "میں تو اور بھی بہت کچھ جانتا ہوں' اور وہی کیسے کی بات تو بیٹا صحافی ہوں۔ تمہیں اس ڈرامہ باز لڑکی سے شادی نہیں کرنا چاہئے۔ تمہارے بابا تمہیں گوریوں سے اس لئے بچا کر نہیں لائے کہ تم کالیوں کے جال میں پھنس جاؤ۔ ملائکہ کی ماں ایک لالچی عورت ہے۔ وہ تو تمہیں چچ کر کھاجائے گی' اور خود ملائکہ اتنی مظلوم نہیں جتنا ظاہر کرتی ہے۔ اپنی پھوپھی کا گھر اس نے ماں کے کہنے پر چھوڑا ہے' کیونکہ پھوپھی بھی اس کی ماڈلنگ کے خلاف تھی۔" میں نے راجہ نوازش کی ساری باتیں دھیان سے سنیں' لیکن مجھے اس میں ملائکہ کا کوئی قصور نظر نہیں آیا۔ میں اب بھی سوچ رہا تھا کہ مجھے شادی تو کرنا ہی ہے' پھر ملائکہ سے ہی کیوں نہ کر لوں۔ جہاں تک شیری کی بات ہے' وہ ایک پیارا لڑکا ہے' مجھے تو یوں بھی اچھا لگتا ہے۔ اگرچہ مجھے نوازش کی بات پر یقین نہیں آیا تھا' یہ صحافی تو یوں بھی پروں کا ڈار بناتے ہیں۔ پھر بھی اگر ایسا تھا بھی تو کیا فرق پڑتا تھا۔

رہی بابا اور اماں کی بات ' تو بھلا انہیں کیوں اعتراض ہو گا۔ بابا ہی تو چاہتے تھے نا کہ میں کسی پاکستانی لڑکی سے شادی کروں ' اب وہ لڑکی مریم ہو یا ملائکہ اس سے کیا فرق پڑتا ہے۔ راجہ نوازش نے اپنی طرف سے ہر طریقے سے مجھے ملائکہ کے ساتھ شادی کے ارادے سے باز رکھنے کی کوشش کی ' بلکہ مجھے یہ تک کہا۔ "کمال ہے یار! تم اتنے بے وقوف ہو گے مجھے اندازہ نہ تھا۔ آج کل بلکہ پندرہ دن پہلے تک تو اس کا رفیق ہمدانی سے بہت زبردست افیئر چل رہا تھا۔ رفیق ہمدانی ' ایک بڑا بزنس مین ہے ' دبئی میں اس کا بہت بڑا کاروبار ہے ' ایک ماہنامے نے تو یہاں تک لکھا ہے کہ دونوں نے خفیہ شادی کر لی ہے شاید۔ خود رفیق ہمدانی نے ایک صحافی کو بتایا ہے کہ وہ دونوں عنقریب شادی کرنے والے ہیں ' تم کس دنیا میں رہتے ہو میرے یار!" اس کی باتوں نے مجھے بوکھلا دیا ' تاہم میں نے اسے ڈپٹ دیا۔ "یہ تم صحافی یونہی بے پر کی اڑاتے ہو۔ پچھلے ماہ سے میرا مسلسل اس سے رابطہ ہے۔ تقریباً روز ہی بات چیت ہوتی ہے ' اگر ایسی کوئی بات ہوتی تو وہ ضرور مجھ سے ذکر کرتی ' اور پھر اسے خواب آور گولیاں کھانے کی بھی ضرورت نہ تھی۔" "خیر تم آج جا کر اس سے پوچھنا۔" راجہ نوازش نے بات ختم کر دی تھی۔ لیکن میں سوچ رہا تھا کہ میں آج اسے پروپوز کر دوں تو زیادہ بہتر ہے۔ اور اس سے بات کر کے پھر بابا سے بات کر لوں۔ سو اس ارادے سے میں وہاں سے سیدھا گلبرگ چلا گیا۔ شیری

وی لاؤنج میں تھا ' لیکن خلاف معمول ٹی وی دیکھنے یا ویڈیو گیم کھیلنے کے بجائے وہ صوفے پر دونوں پاؤں رکھے یوں بیٹھا تھا کہ اپنے گھٹنوں کے گرد دونوں بازو لپیٹے ہوئے تھے ' اور تھوڑی گھٹنوں پر رکھی تھی۔ "ہیلو۔۔۔" میں بے تکلفی سے ٹی وی لاؤنج میں چلا آیا تھا۔ "کیا ہو رہا ہے پارٹنر؟" میں نے اس کے بال بکھیرے ' اس نے سر اٹھا کر مجھے دیکھا۔ اس کی آنکھیں سرخ ہو رہی تھیں ' اور پلکیں بھیگی بھیگی سی تھیں۔ شاید وہ میرے آنے سے پہلے رویا تھا۔ "کیا بات ہے؟ کیا مما سے ڈانٹ پڑ گئی؟" میں نے خوش گوار انداز میں پوچھا ' لیکن اس نے میری بات کا جواب نہ دیا ' اور سر جھکا لیا۔ تب ہی اوپر سے چیختی ہوئی آواز آئی۔ ملائکہ کی آواز۔ "شیری کی خبر گیری کرتی ہو ' تو کون سا احسان کرتی ہو مجھ پر ' تم ہی چاہتی تھیں کہ میں تمہارے بھتیجے سے شادی کر لوں۔۔۔ اور پھر تم نے ہی طلاق بھی دلوائی تھی ' اور تم نے ہی کہا تھا کہ میں کسی کو نہ بتاؤں کہ شہریار میرا بیٹا ہے۔ ورنہ ٹی وی والے مجھے چانس نہیں دیں گے۔ میں

"نے کبھی یہ نہیں چاہا تھا کہ میں شہریار کا رشتہ لوگوں سے چھپاؤں۔ وہ میرا بیٹا تھا' لیکن تم نے اسے مجھ سے چھین لیا۔

میں ساکت کھڑا تھا۔ راجہ نوازش کی ایک بات سچ ثابت ہو گئی تھی کہ شہریار ملائکہ کا بیٹا ہے' میں نے ذرا سا رخ موڑ کر اسے دیکھا اس نے اب اپنا سر تقریباً گھٹنوں میں دے لیا تھا' اور ہولے ہولے رو رہا تھا۔ "تو میں ہی اب کہہ رہی ہوں کہ دے آ اسے اس کے باپ کو۔۔۔ میں نہیں سنبھال سکتی اسے۔" یہ اس کی ماں کی آواز تھی۔ "کیا سنبھالتی ہیں۔ کھانا کھلاتی ہیں' نہلاتی دھلاتی ہیں' کیا کرتی ہیں۔ نوکر ہے اس کے کام لئے۔۔۔ اخراجات میں دیتی ہوں۔" ملائکہ کی آواز پہلے سے زیادہ بلند تھی۔ "تم کیا اخراجات دو گی' کیا ہے تمہارے پاس۔ کیا سمجھتی ہو کہ ممتاز ملک سے لیا ہوا روپیہ اب تک چل رہا ہے۔ وہ تو گیا یوں بینک میں تمہارا اکاؤنٹ خالی ہو چکا ہے۔ ملائکہ بی بی! اسی لئے تو کہتی تھی کہ اس رفیق ہمدانی کو پھنسالے جال میں' اونچی اسامی ہے' ذرا عمر کا زیادہ ہے' تو تجھے عمر سے کیا لینا۔ پر تو تو نگی ہے اڑ گیا نا پنچھی' تو تو اس ٹٹ پونجیے ڈاکٹر پر مر رہی تھی۔ بھاگ بھاگ کر اس کے کلینک جاتی تھی۔ وہ بے چارہ یہاں گھنٹوں تمہارے انتظار میں سڑ تا رہتا تھا' اور تم وہاں۔۔۔" "میں اس پر مرتی نہیں تھی۔ علاج کروا رہی تھی اس سے۔۔۔ اور یہ تمہارا رفیق ہمدانی صرف وقت گزار رہا تھا۔ شادی وادی نہیں کرنی تھی اس نے۔ مجھ سے صاف کہہ دیا تھا کہ جوان بچوں کے ہوتے ہوئے وہ شادی نہیں کر سکتا۔" "کم بخت مجھ سے تو کہتا تھا کہ ملکی سے شادی کروں گا۔ "تیرے اس ڈاکٹر کا کاروبار چلا کچھ؟

اس کی آواز کی تلخی کم ہوئی تھی۔ وہ غالباً اوپر سیڑھیوں کے قریب ہی لاؤنج میں بیٹھی تھی کہ آواز صاف آ رہی تھی۔ مجھے ہنسی آ گئی' لیکن میں یونہی اس صوفے کی بیک پر ہاتھ رکھے کھڑا تھا' جس پر شہریار بیٹھا ہوا تھا۔ "اماں! تیری سمجھ میں کوئی بات نہیں آتی۔ کاروبار چلے یا نہ چلے' وہ تیرے رفیق ہمدانی سے کم نہیں ہے۔ کروڑوں کی جائیداد ہے اس کی۔" "تو شادی کرلے گا تجھ سے؟" اس کی آواز میں اشتیاق تھا' جب کہ ملائکہ کے لہجے میں بے زاری تھی۔ "پتا نہیں۔" "دیکھ ملکی! میں تیرے ہی فائدے کو کہتی ہوں کسی طرح شادی پر راضی کرلے اس کو۔ ہائے کیا کیا خواب نہیں دیکھے تھے میں نے کہ تو فلمی دنیا پر راج کرے گی' کروڑوں میں کھیلے گی۔ پر ہائے قسمت۔۔۔ ہائے صادق تیرا کچھ نہ رہے تو نے میری شہزادی کو برباد کر دیا۔" اب آواز میں رقت تھی۔ "مت نام لے اماں اس کا۔۔۔ میرا خیال ہے حبیب بھی مجھ سے شادی کرنا چاہتا ہے' اور اسے شیری سے بھی لگاؤ ہے۔" "ہائے ہائے شیری کا مت بتانا اسے کہ

وہ تمہارا اپنا ہے۔ میں سینے سے لگا کر رکھوں گی۔ جگر کا ٹکڑا ہے میرا۔ وہ تو بس یوں ہی غصے میں بک جاتی ہوں۔ جانو! "بس تم ہر مہینے اس کا خرچ دے دیا کرنا مجھے اتنا امیر ہے تیرا ڈاکٹر تو بیس پچیس ہزار مہینہ کیا مشکل ہو گا۔ تو فکر نہ کر زیادہ ہی دے دیا کروں گی۔" اب دونوں نارمل انداز میں باتیں کر رہی تھیں۔ آواز بھی اتنی بلند نہ رہی تھی۔ اسی لئے کچھ سمجھ میں نہیں آرہا تھا' شاید وہ مستقبل کے خواب دیکھ رہی تھیں۔ میں نے ایک نظر شہریار کی طرف دیکھا۔ اس نے سر بدستور گھٹنوں میں دے رکھا تھا' لیکن اب وہ ہچکیوں سے رو رہا تھا۔ میں کچھ دیر تاسف اور ہمدردی سے اسے دیکھتا رہا۔ اس سارے معاملے میں اس بچے کا کیا قصور ہے۔ دس گیارہ سال کا یہ بچہ شاید آج ہونے والے انکشاف سے ٹوٹ رہا تھا' بکھر رہا تھا۔ میرا دل چاہا اسے سینے سے لگا کر پیار کروں تسلی' دوں' لیکن میں اس کے کچھ نہیں کر سکتا تھا۔ میں خاموشی سے ٹی وی لاؤنج سے باہر نکلا۔ گیٹ پر دودھ کے پیکٹ' ڈبل روٹی اور انڈے شاپر میں لئے ملازم لڑکا ملا۔ شاید گیٹ اسی لئے کھلا تھا۔ "ارے صاحب! آپ کب آئے؟" "بس ابھی آیا ہوں۔" "بی بی صاحب تو گھر پر نہیں ہیں۔" "ٹھیک ہے۔" شاید اسے یہی ہدایت ملی ہوئی ہو گی۔ بے اختیار مسکراہٹ کو روکتے ہوئے میں گیٹ سے باہر نکل آیا۔

ہالینڈ میں تو ہفتے بھر کا قیام تھا لیکن واپسی پر ڈاکٹر مظہر نے انگلینڈ کا پروگرام بنالیا۔ جہاں ان کے بھائی بھائی رہتے تھے۔ "چلو یار کچھ دن انگلینڈ کی بھی سیر کر لیں۔" اس طرح یہ ٹور تقریباً مہینے بھر کا ہو گیا' جب واپس آیا تو اماں خوشی خوشی میری برکی کی تیاریوں میں مصروف تھیں۔ مریم کے گھر والوں نے ہاں کر دی تھی۔ مریم واقعی ایسی لڑکی تھی' جس کی رفاقت پر فخر کیا جا سکتا تھا۔ وہ ہر لحاظ سے اچھی تھی۔ بابا اور اماں کا بیٹیوں کی طرح خیال رکھتی۔ بابا اور اماں خوش تھے' تو میں بھی مطمئن تھا۔ ہاں کبھی کبھی جائمہ حارث کا خیال آتا' تو دل میں کسک سی اٹھتی اور ساتھ ہی پتا نہیں اس کے بعد کیوں ملائکہ محب اللہ کا تصور بھی چلا آتا۔ پتا نہیں وہ کہاں ہو گی۔ وہ اور اس کا بیٹا شیری جسے وہ اپنا بھائی میں ملائکہ سے کبھی نہیں ملا۔ میں نے وہاں شیری کے پاس کھڑے کھڑے ہی فیصلہ کر لیا تھا' کہ مجھے ملائکہ سے شادی نہیں کرنا۔ راجہ نوزش صحیح کہتا ہے کہ بابا مجھے اس لئے گوریوں سے بچا کر نہیں لائے کہ میں کالیوں کے جال میں پھنس جاؤں۔ ملائکہ ایسی لڑکی نہیں ہے' جیسی لڑکی بابا میرے لئے چاہتے تھے' تاہم میرے دل میں ایک ملال سا تھا۔ میں اس لڑکی کے حالات پر افسردہ تھا' اور ممکن ہے اگر میں ملائکہ سے پھر ملتا تو میں پگھل جاتا' بہر حال

میرے دل میں اس کے لئے ایک نرم گوشہ ضرور تھا' مگر ہوا یوں کہ دوسرے روز ہی مجھے ایک سیمینار میں شرکت کیلئے کراچی جانا پڑ گیا۔ ڈاکٹر مظہر نے مجھے اس کے لئے کئی دن پہلے سے کہہ رکھا تھا' اور پھر وہاں کراچی میں ہی دواؤں کی ایک کمپنی کی طرف سے میں اور ڈاکٹر مظہر ایک کانفرنس میں شرکت کرنے کیلئے ہالینڈ چلے گئے۔

مریم سے شادی کے بعد میں کراچی منتقل ہو گیا تھا' اور اس کی وجہ یہ تھی کہ یہاں بابا کی کافی جائیداد تھی' اور وہ ایک ہاؤسنگ سکیم شروع کرنا چاہتے تھے۔ یوں بھی بابا کے ساتھ ان کی سروس کے دوران بیشتر وقت کراچی میں ہی گزرا تھا۔ کراچی آنے کے بعد کچھ عرصہ تک راجہ نوازش اور ڈاکٹر مظہر سے رابطہ رہا' لیکن پھر ٹوٹ گیا۔ ان سات سالوں میں دوبار میں چند ماہ کے لئے اسد بھائی کے پاس امریکہ بھی گیا۔ جو نے ایک انڈین سے شادی کر لی تھی' لیکن دونوں میں جھگڑا رہتا تھا۔ جو سے میری ملاقات اتفاقیہ ہوئی تھی۔ وہ سٹور سے وائن خرید رہی تھی۔ اپنے متعلق بتاتے ہوئے کہتی کہ اس نے کچھ ایسی شاکی نظروں سے مجھے دیکھا تھا کہ پاکستان آکر بھی میں کتنے دن ڈسٹرب رہا۔ خیر! میں تو ملائکہ تھی وہ۔۔۔ میں نے ملائکہ سے محبت نہیں کی تھی' مجھے شاید اس سے ہمدردی تھی' یا پھر پتا نہیں کیا۔ محبت تو میں نے جائمہ حارث سے کی تھی' لیکن عجیب بات ہے مریم سے شادی کے بعد میں نے جو کو اتنا نہیں سوچا جتنا ملائکہ کو۔ یہ نہیں کہ میں اپنی زندگی سے مطمئن نہیں تھا یا مجھے کسی طرح کا کوئی پچھتاوا تھا۔ لیکن پھر بھی کبھی کبھی ملائکہ محب اللہ بے تحاشا یاد آتی۔ وہ انوکھی سی لڑکی' جس کی زندگی کے نہ جانے کتنے رخ تھے' بہت مہذب اور شائستہ' جاہل اور منہ پھٹ' ظالم' مظلوم' بے بس اور نفسیاتی مریض۔ وہ جو کچھ بھی تھی بہر حال میں اسے بھولا نہیں تھا۔ سات سال گزرنے کے بعد بھی نہیں۔ اب جب کہ میرے دو پیارے پیارے بچے ہیں۔ مریم جیسی بیوی ہے۔ مجھے اعتراف ہے کہ مریم نے زندگی کا ہر سکھ دیا ہے مجھے۔ اگر میری شادی جو یا ملائکہ سے ہوتی تو میں اپنا پرسکون اور مطمئن نہ ہوتا۔

کا ذکر کر رہا تھا کہ ان سات سالوں میں مجھے ملائکہ کے متعلق بالکل کچھ پتا نہیں چلا۔ لوگوں نے واقعی اسے بھلا دیا تھا۔ کہیں کسی اخبار میں میری نظر سے اس کا نام نہیں گزرا تھا۔ شاید اگلے چند سالوں میں' میں بھی اسے بھول جاتا کہ مجھے اچانک ایک روز طارق روڈ کراچی کی ایک شاپ سے باہر آتا راجہ نوازش مل گیا۔ میرا دھیان اپنے بیٹے ایمل کی طرف تھا کہ برسوں پہلے کی طرح اس نے پیچھے سے میری پیٹھ پر دھموکا جڑا۔ "اے کیسے ہو؟" "او یار۔۔۔!" میں تڑپ کر

مڑا تو وہ بازو پھیلائے کھڑا تھا۔ اور کچھ ہی دیر بعد ہم ایک ہوٹل میں ایک دوسرے کے سامنے بیٹھے ایک دوسرے کو بیتے سالوں کی روداد سنا رہے تھے۔ اس نے بتایا کہ ڈاکٹر مظہر اپنے بھائی کے پاس انگلینڈ چلے گئے ہیں' اور وہ خود دو تین سال سے کینیڈا میں سیٹل ہے۔ "مگر یار! تم تو ملک سے باہر جانے کے خلاف تھے۔" مجھے حیرت ہوئی۔ "بس یار! کیا بتاؤں' خواہشیں' آرزوئیں بھگائے پھرتی ہیں۔ طلب بڑھتی جاتی ہے سو۔۔۔؟" ایمل اسی ہوٹل میں بنے بچوں کے حصے کی طرف چلا گیا تھا۔ جہاں جھولے وغیرہ اور بچوں کی دلچسپی کی دوسری چیزیں تھیں۔ "کراچی میں کب "تک قیام ہے؟

بس دو تین روز مزید۔۔۔ پھر کچھ دن گاؤں رہ کر واپس کینیڈا۔۔۔ دراصل بچے اور بیگم تو وہیں ہیں۔۔۔ میں دادا کی وفات پر" آیا تھا۔ خیر تم سناؤ بھابی کیسی ہیں؟ اور کیسی گزر رہی ہے؟" "بہت اچھی۔" میں نے بے حد آسودہ لہجے میں بتایا' تو وہ مسکرا دیا۔ "ملائکہ تو یاد نہیں آتی؟" "یادوں کا کیا ہے یار۔۔۔" میں بھی مسکرا دیا۔ "سچ بتا کیا تو اس سے محبت کرنے لگا تھا؟" "پتا نہیں۔۔۔ لیکن شاید میں اس کی مدد کرنا چاہتا تھا یا مجھے اس سے ہمدردی ہو گئی تھی۔ اسے تم محبت نہیں کہہ سکتے۔" "ہاں' ترس تو مجھے بھی اس پر بہت آیا تھا' جب میں نے اسے مینٹل ہاسپٹل میں دیکھا تھا۔"
"مینٹل ہاسپٹل؟" مجھے شاک سا لگا۔ "ہاں ان دنوں وہ مکمل طور پر دیوانگی کا شکار تھا۔ بعد میں اس کی حالت کچھ بہتر ہو گئی تھی۔ آج کل وہ فونٹین ہاؤس میں ہے۔ ڈاکٹر مظہر جب یہاں سے گئے تھے' دو سال قبل تو تب وہاں اس کی پھوپھی نے اسے ایڈمٹ کروایا تھا' اور وہ ابھی تک وہیں ہے۔ چند دن ہوئے میں نے ایک فلمی ہفت روزے میں پڑھا تھا۔
"اور شیری۔۔۔؟" بے اختیار میرے لبوں سے نکلا۔

میرا مطلب ہے اس کا بیٹا۔" "وہ پہلے تو اپنے باپ کے پاس تھا' لیکن پھر ملائکہ کی پھوپھی اسے لے گئی تھی' اور" آج کل وہ کینیڈا میں ہے۔ ملائکہ کی پھوپھی کے پاس' میرے بیٹے کے ساتھ پڑھتا ہے۔ دو تین بار میری ملاقات ہوئی ہے اس سے۔ وہ بہت مطمئن اور خوش ہے۔ میں نے ایک اطمینان بھری سانس لی۔ پتا نہیں کیوں مجھے اس سے انس ہو گیا تھا۔ کبھی کبھی زندگی بعض لوگوں کے ساتھ بہت برا سلوک کرتی ہے۔ حالانکہ وہ اس کے مستحق نہیں ہوتے' جیسے ملائکہ محب اللہ کے ساتھ زندگی نے کیا۔ حالانکہ وہ اس کی مستحق نہ تھی۔ میں نے اپنے دل میں اس کے لئے

گہرے درد کو پھیلتے ہوئے محسوس کیا۔ اس روز جب میں اپنے بستر پر لیٹا تو غیر ارادی طور پر میں نے اس کے متعلق شروع سے آخر تک ہر بات سوچ ڈالی۔ میں نے سوچا کہ میں ملائکہ کی کہانی لکھوں' جیسا کہ شروع میں آپ کو میں نے بتایا ہے کہ میں کبھی کبھی کہانیاں لکھتا ہوں بلکہ لکھتا تھا۔ کسی بھی نفسیاتی پرابلم پر۔۔۔ زیادہ تر میری کہانیوں کا مرکزی کردار کوئی سچا واقعہ ہی ہوتا تھا۔ کچھ دن پہلے ہی مجھے میرے میگزین کے ایڈیٹر ملے تھے' اور وہ گلہ کر رہے تھے کہ میں نے تو بالکل ہی لکھنا چھوڑ دیا ہے' اور میں نے ان سے وعدہ کیا تھا کہ میں لکھوں گا۔ ایک روز مریم نے بھی کہا تھا کہ مجھے لکھنا چاہئے۔ میں لکھنے کے ہنر سے آشنا ہوں۔ میں نے ملائکہ سے کہا تھا کہ میں اس کی کہانی لکھوں گا تو۔۔۔ میں نے قلم اٹھایا' لیکن مجھے سمجھ میں نہیں آیا کہ میں کیا

لکھوں۔ میں نے کلینک آفس سے ملائکہ کی فائل نکلوالی تھی۔ اس کی کیس ہسٹری میرے سامنے تھی' لیکن چار ماہ کی سٹنگ میں اس نے اپنے متعلق زیادہ نہیں بتایا تھا۔ میں تو اس کے متعلق اتنا بھی نہیں جانتا تھا' جتنا راجہ نوازش اور ڈاکٹر مظہر جانتے تھے۔ میرے پاس تو لکھنے کے لئے کچھ بھی نہ تھا۔ بس چند ادھوری باتیں' ادھوری معلومات۔ اگلے روز نوازش میرے گھر آیا تو میں نے کہا۔ "راجہ! میں ملائکہ سے ملنے جاؤں گا' تم چلو گے میرے ساتھ؟" راجہ نے ایک گہری نظر مجھ پر ڈالی' اندر تک اترتی ہوئی۔ "تم اب بھی اس سے محبت کرتے ہو۔" اس نے پوچھا نہیں تھا۔ پورے یقین سے کہا تھا۔ میں خاموش ہی رہا۔ "ہاں' وہ ایسی تھی کہ اس سے محبت ہو جاتی تھی خود بخود ہی۔ ایک بار میں نے بھی ایسا ہی محسوس کیا تھا' لیکن پھر میں نے خود کو سنبھال لیا۔ ان دنوں میں نے اس کا ایک انٹرویو لیا تھا۔ اپنے اخبار کے لئے' اور میری اس سے دوستی ہو گئی تھی' پھر میں کئی بار اس سے ملا تھا۔" میں نے اس کی بات پر تبصرہ کئے بغیر اپنا سوال دہرایا۔

ڈاکٹر لطیف ابھی تک فاؤنڈیشن ہاؤس میں تھے۔ بہت دیر ان کے آفس میں بیٹھ کر باتیں ہوتی رہیں' اور وہ اس بات پر افسوس کرتے رہے کہ اکثر مظہر جیسے رضا کارانہ طور پر کام کرنے والے ڈاکٹر اب میسر نہیں ہیں۔ میں نے وعدہ کیا کہ میں مہینے میں دوبار کراچی سے آیا کروں گا۔ جس پر وہ بے انتہا خوش ہوئے' اور میں شرمندہ۔ ہم کتنا کچھ اپنے لئے کرتے ہیں' اور دوسروں کے لئے کچھ کرنے کو ہمارے پاس وقت نہیں ہوتا' اور اب جو میں نے یہاں مہینے میں دو

بار آنے کا کہا تو کیا صرف جذبہ خدمت سے مغلوب ہو کر یا۔۔۔ یا پھر ملائکہ۔۔۔ "نہیں۔" میں نے اپنے آپ کو سرزنش کی۔ بھلا ملائکہ کے لئے کیوں۔۔۔ اور پھر ہم ڈاکٹر لطیف کے ساتھ ہی راؤنڈ کے لیے گئے' اور وہ مجھے نظر آ چلوں گا۔" اس نے سانس کھینچی۔ "اور پھر وہیں سے گاؤں چلا جاؤں گا۔" "او کے' " گئی۔ وہ جسے دیکھنے کے لئے میں تو میں لاہور کے لئے سیٹ بک کروا لیتا ہوں۔" راجہ نواز ش نے سر ہلا دیا' لیکن ہم جتنی دیر ساتھ رہے وہ کھوجتی نظروں سے مجھے دیکھتا رہا۔ صحافی تھا نا' اندر تک اتر جانے والی نظر رکھنے والا' لیکن وہ میرے اندر ملائکہ کے لئے کوئی ایسا جذبہ نہ پا سکا' جسے وہ محبت کا نام دے سکتا۔ اور وہ پاتا بھی کیسے خود مجھے نہیں معلوم کہ میں نے ملائکہ سے محبت کی تھی یا نہیں۔ آج جب میں اس کی کہانی لکھ رہا ہوں' تب بھی میں نہیں جانتا کہ مجھے اس سے محبت تھی یا محض ہمدردی۔ پہلی ملاقات سے لے کر آج تک میں یہی سمجھتا رہا ہوں کہ میری پہلی محبت جانکہ حارث تھی' لیکن پتا نہیں کیوں ان بیتے سات سالوں میں جتنا میں نے جو کو سوچا اتنا ہی ملائکہ کو بھی سوچا۔

کراچی سے آیا تھا۔ وہ کچھ عورتوں کے ساتھ بیٹھی تھی' اور وہ سب کاغذ کے پھول بنا رہی تھیں۔ ہمیں دیکھ کر وہ اٹھ کر ہمارے پاس چلی آئی' جب کہ باقی خواتین بدستور اپنے کام میں مصروف رہیں۔ "ڈاکٹر صاحب!" وہ ڈاکٹر لطیف سے مخاطب تھی۔ "یہ دیکھیں اس موٹی نے مجھے تھپڑ مارا ہے' اور میرے بال بھی کھینچتے ہیں۔" میں بہت دھیان سے اسے دیکھ رہا تھا۔ وہ ہونٹ بسور بسور کر بالکل بچوں جیسے انداز میں ڈاکٹر لطیف سے شکایت کر رہی تھی۔ میں تب بھی اس کے بچوں جیسے اس انداز پر ہنستا تھا۔ آج بھی میرے ہونٹوں پر مسکراہٹ آگئی۔ "کیا وہ میری ماں لگتی ہے جو اس نے مجھے مارا۔" میں نے اس سے کہا تو سب ہنسنے لگیں۔ میں نے غلط تو نہیں کہا ڈاکٹر صاحب! وہ میری ماما تو نہیں ہے۔ مارتی تو صرف ماں ہے نا۔" وہ ڈاکٹر لطیف کی طرف دیکھ رہی تھی۔ اس کی آنکھوں میں پاگلوں والی مخصوص چمک تھی۔ وہ اس وقت بہت قابل رحم لگ رہی تھی۔ میرے دل کو جیسے کسی نے مٹھی میں لے لیا۔ "جن دنوں یہ مکمل طور پر حواس کھو چکی تھی' تو اس کی ماں اسے بہت مارا کرتی تھی۔" راجہ نے میرے کان میں سرگوشی کی۔ وہ ڈاکٹر لطیف سے شکایت لگا کر واپس جا چکی تھی' اور بڑی مطمئن سی اپنی جگہ پر جا کر پھول بنانے لگی تھی۔

کیا وہ اس کی سگی ماں تھی؟" میں نے راجہ سے پوچھا۔ "ہاں۔۔۔" "لیکن وہ اس کی ماں نہیں لگتی تھی۔ عجیب جاہل"

سی عورت تھی۔ جب وہ۔۔۔" "لیکن وہ اس کی سگی ماں ہی تھی۔" راجہ نے میری بات کاٹ دی۔ "میں نے اس کے متعلق پوری تحقیق کی ہے' کیونکہ میرے ایڈیٹر نے کہا تھا کہ میں اس کے متعلق کہانی لکھوں۔" راجہ اخبار میں کالم لکھنے کے علاوہ ایک میگزین سے بھی منسلک تھا' جس میں مشہور شخصیات کے حالات زندگی چھپا کرتے تھے' اور میگزین کا یہ شعبہ راجہ کے پاس تھا۔ کہانی کے انداز میں لکھا گیا سب سچ ہی ہوتا تھا' ممکن ہے تھوڑی بہت رنگ آمیزی بھی ہو' لیکن راجہ کہتا تھا کہ سب سچ ہے اور ایک کہانی وہ مہینوں کی تحقیق کے بعد لکھتا تھا۔ "تو تم نے وہ کہانی لکھی؟" میں نے تجسس پوچھا۔ "ہاں۔۔۔ لیکن مکمل نہیں کر سکا۔ بس ایک دو صفحات رہتے تھے کہ مجھے کینیڈا جانے کا چانس مل گیا۔" "تو وہ کہانی؟" "پڑی ہے میرے کاغذات میں' واپس جا کر تمہیں بھیج دوں گا' مجھے معلوم ہے کہ تم اس کے متعلق سب کچھ جاننا چاہتے ہو' حالانکہ اس کا کوئی فائدہ نہیں۔" وہ مسکرایا۔

تم غلط سمجھ رہے ہو راجہ' وہ میری پیشنٹ تھی' اس نے مجھے سب سچ نہیں بتایا تھا اس لئے فطری تجس ہے۔" "تم کہتے ہو تو مان لیتا ہوں۔" راجہ نے اب کے اپنی مسکراہٹ چھپائی۔ میں جزبز ہو کر ڈاکٹر لطیف کی طرف دیکھنے لگا۔ جو اس دوران اپنے پیشنٹ کے ساتھ باتوں میں مصروف ہو گئے تھے۔ "چلئے۔۔۔" مجھے اپنی طرف متوجہ دیکھ کر انہوں نے کہا۔ "آپ کو ایک مریض سے ملواتا ہوں' جس کی کیس ہسٹری مجھے آپ سے ڈسکس کرنا ہے۔ خاص طور پر آپ کی توجہ چاہئے' اس کے لئے۔" ہم چلتے چلتے ان کے پاس سے گزرے۔ کچھ عورتیں بیٹھی رہیں۔ ایک دو نے سر اٹھا کر ہمیں دیکھا اور وہ پھر کھڑی ہو گئی تھی' اور اب ڈاکٹر لطیف کے بجائے راجہ نوازش کو دیکھ رہی تھی۔ "تم کون ہو؟" "یہ ایک صحافی ہے اخبار میں لکھتا ہے۔" "اچھا۔۔۔" وہ پھول وہیں پھینک کر تیر کی طرح اس کی طرف لپکی۔ "سنو تم اخبار میں لکھنا کہ میں پاگل نہیں ہوں' بالکل ٹھیک ہوں۔ انہوں نے مجھے یوں ہی یہاں بند کر رکھا ہے۔" اس نے راجہ نوازش کی آستین مٹھی میں جکڑ لی تھی۔

اچھا۔۔۔ اچھا لکھوں گا۔" "لیکن کیا لکھوں تمہارا نام کیا ہے؟ کس نے بند کیا ہے تمہیں۔" "میرا نام چھ نمبر ہے۔" " اس نے روانی میں کہا' اور پھر راجہ کی آستین چھوڑ دی۔ "لیکن یہ دو نمبر ہے' میرا نام۔" وہ پرسوچ نظروں سے ڈاکٹر لطیف کو دیکھنے لگی۔ میں اسے بہت قریب سے دیکھ رہا تھا۔ اس کی رنگت سانولی سی ہو رہی تھی بال روکھے اور

مرجھائے ہوئے تھے۔ آنکھوں کے گرد لکیریں پڑ گئی تھیں۔ دانت پیلے ہو رہے تھے۔ "ملائکہ۔۔۔" بے اختیار میرے لبوں سے نکلا۔ "ملائکہ۔۔۔" وہ ایک دم خوش ہو گئی' لیکن پھر فوراً ہی اس کی آنکھوں میں الجھن نظر آنے لگی۔ "لیکن تمہیں میرا نام کیسے پتا ہے؟" اس کی آنکھوں کے اور چہرے کے اثرات بدل رہے تھے۔ ڈاکٹر لطیف نے ہولے سے اس کا کندھا تھپکا۔ "میں نے بتایا ہے اسے۔" ڈاکٹر لطیف ہمیں لے کر آگے بڑھ گئے۔ میرا جی چاہا' میں مڑ کر اسے دیکھوں۔ وہ شاید مجھے پہچاننے کی کوشش کر رہی تھی۔ میں نے اس کی آنکھوں میں پہچان کے سائے ابھرتے اور ڈوبتے دیکھے ہیں۔ کیا یہ اچھی علامت نہیں؟

ڈاکٹر لطیف نے کہا' اور میں خاموش ہو گیا کہ بہرحال وہ بہتر جانتے تھے کہ اس کے ٹھیک ہونے کا پراسس کن مراحل میں ہے۔ میں یہاں کیوں آیا تھا' میں اس سے کیوں ملنا چاہتا تھا' میرا اس سے کیا رشتہ تھا۔ سات سال پہلے وہ میرے پاس مریضہ کی حیثیت سے آئی تھی اور سات سال بعد میں یہاں کیوں دوڑا چلا آیا تھا۔ اس ہوش و حواس سے بیگانہ لڑکی سے ملنے' میں سوچتا رہا۔ راجہ نوازش گاہے گاہے مجھ پر ایک گہری نظر ڈال لیتا تھا' لیکن اس نے کہا کچھ نہیں۔ ہاں جب وہ مجھ سے رخصت ہو کر گاؤں کی طرف جا رہا تھا' اور میں ایئرپورٹ کی طرف' تو اس نے میرے کندھے پر ہاتھ رکھتے ہوئے کہا۔ "کہیں ملائکہ کے ساتھ ہمدردی میں اتنا آگے نہ بڑھ جانا کہ تمہارا خاندان اس سے متاثر ہو۔" پتا نہیں وہ کیا سمجھ رہا تھا۔ "ایسا کچھ نہیں ہے راجہ! اگر ایسا ہوتا تو سات سال پہلے مجھے اس سے ہمدردی کرنے سے کون روک سکتا تھا۔" "اور اگر میں سات سال پہلے اس سے شادی کر لیتا' تو پھر شاید۔۔۔ شاید وہ اس حالت تک نہ پہنچتی۔" ایک پچھتاوے کا احساس میرے اندر دور تک پھیلتا ہوا مجھے بے طرح افسردہ کر گیا اور یہ احساس کئی دن تک مجھ پر حاوی رہا۔ حتیٰ کہ مریم نے بھی محسوس کیا۔ "کیا بات ہے حبیب! آپ کچھ پریشان لگ رہے ہیں۔" "نہیں تو۔" میں نے حیرت سے مریم کو دیکھا۔ "میں پریشان تو نہیں ہوں بالکل بھی۔

پھر کیا بات ہے؟" مریم کی سوالیہ نظریں میری طرف اٹھی ہوئی تھیں۔ "آپ بہت خاموش اور افسردہ سے ہیں۔" جب سے لاہور سے آئے ہیں' بلکہ امی بھی کل روفی سے کہہ رہا تھا کہ پاپا شاید بیمار ہیں' شور نہ کرو۔ اسے آپ کیا کہیں گے؟" "اوہ گاڈ!" میں نے دونوں ہاتھوں سے سر تھام لیا۔ "کیا راجہ صحیح کہہ رہا تھا کہ میں ملائکہ کی ہمدردی میں اپنی

لائف خراب نہ کروں۔" "بتایئے نا حبیب! ہم سب آپ کے ہیں' اپنی پریشانی ہمارے ساتھ شیئر کریں۔" "ایسا کچھ بھی نہیں جان!" میں نے خود کو سنبھالا۔ "لاہور میں دراصل میں ڈاکٹر لطیف سے وعدہ کر بیٹھا ہوں کہ مہینے میں ایک یا دو چکر فونٹین ہاؤس کے رضاکارانہ طور پر لگایا کروں گا' تو بس اسی کے متعلق سوچ رہا تھا کہ کیسے نبھاپاؤں گا وعدہ۔" مریم کے ہونٹوں پر مسکراہٹ کھل اٹھی۔ "اگر یہ احساس ہمارے خیال سے ہے تو بابا اور اماں جان دو ہفتے تک واپس آرہے ہیں' اور اگر پیسے کے زیاں کا خیال ہے تو حبیب! یہ مال و دولت تو سب یہیں رہ جائے گا' اور پھر ہمارے پاس اتنا ہے کہ ہم ہر ماہ نو دس ہزار کرائے کے لئے خرچ کرسکتے ہیں۔ فی الحال صبح کی فلائٹ سے جا کر شام کو آجایا کریں۔ بابا وغیرہ کے آنے کے بعد رکنا پڑے تو رک بھی جائیں۔

نہیں' خیر پیسے کا تو مسئلہ نہیں۔" میں شرمندہ سا ہوگیا۔ "میں نے خود ڈاکٹر کو آفر کی تھی۔ بہر حال بابا اور اماں جان" آرہے ہیں' تو پھر کوئی پریشانی نہیں۔" میں مسکرا دیا۔ "مریم! تم بہت اچھی ہو' اور میں بہت خوش قسمت ہوں۔" "یہ بات میں بھی کہہ سکتی ہوں۔" وہ کسی شاخ نازک کی طرح لچکتی ہوئی باہر چلی گئی۔ بلاشبہ وہ ملائکہ اور جائمہ سے زیادہ خوبصورت تھی۔ اس کے دل میں پیسے اور دولت کی ہوس نہیں تھی۔ وہ یونہی کھلے دل سے خرچ کرتی تھی۔ ملازموں کے دکھ سکھ میں شریک رہتی اور ملائکہ کو دولت کا لالچ تھا۔ وہ مختلف حیلوں بہانوں سے پیسہ مجھ سے خرچ کروایا کرتی تھی۔ اس نے سوائے پہلی بار کے ایک بار بھی فیس ادا نہیں کی تھی' اور پیسے کی حرص تو جوئیں بہت تھی' پھر بھی پتا نہیں نہیں دل۔۔۔ اور دل کی شرارتیں بھی عجیب ہوتی ہیں۔ "مریم کے پاس پیسے کی کمی نہیں ہے' اس لئے اسے ہوس نہیں ہے پیسے کی' اور وہ دونوں۔۔۔ انہیں ضرورت تھی پیسے کی' اس لئے ان کے دل میں حرص تھی' لالچ تھا۔" میں خود بخود موازنہ کرتا رہتا تھا' اور انہیں اس الزام سے بری کردیتا تھا۔ یہ محبت بھی عجیب ہوتی ہے۔ محبوب کے غلط کو صحیح کہنا اس کی ریت ہے۔ مریم مطمئن ہوگئی تھی' میں اس روز بچوں کو ساحل سمندر پر لے گیا' اور واپسی پر کھانا باہر ہی کھا کر گھر آیا تو ذہن بہت ہلکا پھلکا سا تھا۔ میں نے ڈاکٹر لطیف کو فون کرکے ہر ماہ کی چھ اور ستائیس تاریخ بتادی تھی' اور سوچتا رہا تھا کہ ملائکہ کے کیس کی فائل بھی ساتھ لے جاؤں گا۔ اس طرح پرانی اور نئی کیس ہسٹری اکٹھی کرکے اس کے ذہن کی گتھیاں سلجھانے میں مدد

ملے گی۔ بابا جان اور اماں جان امریکہ سے آ گئے تھے' اور میرے لاہور جانے میں ابھی کچھ دن تھے کہ کینیڈا سے راجہ نے ملائکہ کی کہانی بھیج دی۔ راجہ نے اپنے مخصوص انداز میں حقیقت کو کہانی کا روپ دیا تھا۔ "یہ سب سچ ہے حبیب!" اس نے لکھا تھا۔ وہ سب سچ میں نے پڑھا۔ میں نے ملائکہ سے وعدہ کیا تھا کہ میں اس کی کہانی لکھوں گا' لیکن میری سمجھ میں نہیں آتا تھا کہ میں اس کی کہانی کہاں سے شروع کروں' وہاں سے جہاں پہلی بار وہ مجھے ملی تھی' یا پھر وہاں سے جب اس نے ملک محب اللہ خان کے گھر آنکھیں کھولی تھیں' لیکن پھر اس کے بعد کیا لکھوں گا۔ اس نے تو مجھے اپنے ماضی کے متعلق کچھ زیادہ نہیں بتایا تھا' لیکن اب راجہ نوازش کی لکھی ہوئی کہانی میرے سامنے تھی۔ میں جب کلینک سے اٹھا تو ساری کہانی پڑھ چکا تھا' اور یہ ساری کی ساری کہانی اس طرح آپ کے سامنے ہے' میں نے اس میں کچھ ردوبدل نہیں کیا' بلکہ ساری کی ساری کہانی آپ کے سامنے رکھ دی ہے۔ ملائکہ سے زندگی میں غلطیاں سرزد ہوئیں' لیکن پھر بھی یہ سب پڑھنے کے بعد میں نے اس کے لئے اپنے دل میں نفرت محسوس نہیں کی' بلکہ وہ جو میرے دل میں ایک نرم گوشہ تھا اس کے لئے' اس کا گداز پہلے سے بڑھ گیا تھا۔ شاید اس لئے کہ میں اس سب کے لئے اسے قصوروار نہیں سمجھتا یا شاید اس لئے کہ راجہ نوازش صحیح کہتا ہے کہ ملائکہ سے محبت کرتا ہوں اور محبوب کا غلط بھی صحیح لگتا ہے۔ یقیناً آپ کو میری طرح تجسس ہو رہا ہو گا' اس لئے میں آپ کو زیادہ دیر امتحان میں نہیں ڈالتا۔ آپ ملائکہ کی کہانی پڑھئے جسے راجہ نوازش نے

ملک محب اللہ خان نے بہت خوشگوار موڈ کے ساتھ بیڈ روم میں قدم رکھا' تو تیز خوشبو نے اس کا استقبال کیا۔ انہوں نے برا سا منہ بنایا۔ ان کے بار بار منع کرنے کے باوجود پتہ نہیں کیوں سلطانہ ایسی ہی تیز خوشبوئیں استعمال کرتی تھیں' حواس کو پراگندہ کرنے والی۔ دروازے کے پاس ہی کھڑے کھڑے انہوں نے دائیں طرف نگاہ کی۔ سلطانہ ڈریسنگ ٹیبل کے سامنے کھڑی تھی' جھلملاتے ہوئے آتشیں گلابی سوٹ میں۔ اسے ایسے ہی بھڑکیلے اور چیختے چلاتے رنگ پسند تھے۔ اسی رنگ کی لپ سٹک میں ہونٹ رنگے اب وہ مسکرا رہی تھی۔ آتشیں گلابی رنگ کے سوٹ پر سنہرے ستاروں سے بنے جھلملاتے پھول انہیں زہر لگے۔ "یہ۔۔۔ یہ کیا ہے سلطانہ بیگم! یہ کیا ڈریس پہنا ہے آپ نے؟" سلطانہ نے مڑ کر ایک نظر ان پر ڈالی۔ "اس لباس میں کیا خرابی ہے خان!" "جس ڈنر میں ہم جا رہے ہیں' وہاں ایسا ڈریس نہیں چل سکتا۔ کوئی سوبر سا ڈریس پہنیں' بلکہ چکن کا وہ گرے سوٹ پہن لیں' جو آپ لے کر آئی تھیں

لکھا ہے۔شاید آپ کو بھی میری طرح اس سے ہمدردی ہی محسوس ہو یا پھر۔۔۔ ✔ اور منہ ہاتھ دھو کر ذرا لائٹ سا

میک اپ کر لیں۔" "لو وہ بھی کوئی فنکشنوں میں پہننے والا جوڑا ہے' اتنا سادا سودا اور آپ کو بڑا پتا ہے۔" وہ تھوڑا سا ہنسی۔ "ایسے کپڑے تو فنکشنوں میں ہی اچھے لگتے ہیں۔ "بتیوں" میں تو خوب چمکتے ہیں اور میری اماں نے جو یہ سلمہ ستارے والے جوڑے دیئے ہیں' یہ ضائع تو نہیں کرنے پورے دو ہزار کا یہ سوٹ لیا تھا "رنگ محل" سے اماں نے۔" ملک محب اللہ ہونٹ بھینچے اسے دیکھتے رہے۔ ایک دم ہی ان پر تھکن طاری ہو گئی تھی۔ جانے وہ کیسا منحوس لمحہ تھا' جب انہوں نے سلطانہ عرف شانی بیگم کو گاتے سنا تھا۔ وہ کوئی مشہور سنگر نہ تھی' بلکہ اس روز سے پہلے تک وہ اس کا نام تک نہ جانتے تھے۔ یہ فیشن شو ان کا ایک دوست منعقد کروا رہا تھا' اور اس کے بے حد اصرار پر وہ چلے آئے تھے' ورنہ انہیں ایسے فنکشنوں سے کوئی دلچسپی نہ تھی۔ وہ کسی اشتہاری کمپنی کی طرف سے اس فیشن شو میں شریک ہوئی تھی' اور اسی اشتہاری کمپنی کا مہیا کردہ سفید ڈریس پہنے گا رہی تھی۔ میک اپ مین کا مہارت سے کیا گیا میک اپ' سفید بہت سی کلیوں والا کرتا' لمبا سا دوپٹہ اور پنجابی گانے کے بول براہ راست ان کے دل پر اثر کر رہے تھے' آواز میں سوز تھا۔ وہ ایک ٹک اسے دیکھے جا رہے تھے۔ سٹیج کی تیز روشنیوں میں وہ کوئی اپسرا لگ رہی تھی۔ کوئی آسمانی مخلوق گلابی رنگت' بڑی بڑی غزالی آنکھیں۔ وہ تو جیسے ان آنکھوں کے سحر میں جکڑ گئے تھے۔ پاس بیٹھے دوست نے انہیں ادھر متوجہ دیکھ کر بتایا تھا۔ "یہ سلطان ہے۔ ابھی کچھ عرصہ پہلے ہی گانا شروع کیا ہے۔ ابھی سٹیج پر ہی ایک دو بار پرفارمنس دی ہے۔ امید ہے جلد ہی ٹی وی اور ریڈیو تک رسائی بھی ہو جائے گی۔" یکا یک ان کا

دل چاہا' وہ اس لڑکی کو اپنا لیں۔ ساری دنیا کی نظروں سے بچا کر اپنے پاس چھپا لیں' ساری میلی اور گندی نظروں سے۔ انہوں نے پیچھے مڑ کر ناگواری سے ان نوجوانوں کو دیکھا تھا جو سیٹیاں بجا رہے تھے۔ ان کا برسوں سے خالی دل کسی کی رفاقت کی تمنا کرنے لگا تھا' اور وہیں ہی بیٹھے بیٹھے انہوں نے فیصلہ کر لیا تھا کہ وہ اس لڑکی کو دنیا کی نظروں سے بچا کر گھر اور چار دیواری کا تحفظ دیں گے۔ "یار زمان شاہ! اگر میں کہوں میں اس لڑکی سے شادی کرنا چاہتا ہوں تو کیا یہ ممکن ہے؟" شاہ زمان چونکا۔ "اگر یہ مذاق ہے تو خیر ہے' لیکن اگر تم سنجیدہ ہو تو عرض ہے کہ یہ لڑکی تمہارے سٹینڈرڈ کی نہیں ہے۔" "اس سے کیا فرق پڑتا ہے شاہ زمان۔" "بہت فرق پڑتا ہے۔ میری دادی کہتی ہے کہ بیٹی

چاہے کہیں بھی دے دو' بہو دیکھ بھال کر اچھے خاندان کی لاؤ کہ اس نے پوری نسل کو پروان چڑھانا ہوتا ہے۔" تب تو وہ شاہ زمان کی بات سمجھے نہیں تھے' لیکن اب انہیں لگتا تھا کہ شاہ زمان نے بالکل صحیح کہا تھا۔ انہوں نے ایک نظر "ڈریسنگ ٹیبل کے سامنے کھڑی سلطانہ کو دیکھا" اور اس کے لئے۔۔۔ میں نے کسی کی بات نہ مانی۔

زمان! اس لڑکی کا پتا کراؤ' مجھے ہر قیمت پر اس سے ہی شادی کرنا ہے۔" "اس کا باپ ایک دفتر میں چپڑاسی ہے۔" شاہ زمان نے انہیں بتایا۔ "اور بھائی کسی سٹوڈیو میں ملازم ہے' اور ان کا کوئی فیملی بیک گراؤنڈ نہیں ہے۔ دو بہن بھائی ہیں' بہت غربت ہے۔" "غربت کوئی جرم تو نہیں زمان۔" "غربت جرم نہیں ہے' لیکن میرے بھائی! وہ لوگ کسی بھی لحاظ سے تمہارے ہم پلہ نہیں ہیں۔ اس لڑکی کی ماں کسی زمانے میں گڑوی بجایا کرتی تھی۔ سمجھتے ہونا گڑوی بجانے والی عورتوں کو۔" "تو۔۔۔؟" ملک محب اللہ خان نے بھنویں اچکائیں۔ "اس سے کیا فرق پڑتا ہے۔ اس کا باپ محنت کر کے روٹی کماتا ہے' باعزت طریقے سے۔" "لیکن ذات کا بھانڈ ہے۔" شاہ زمان چڑ گیا تھا۔ لیکن ملک محب اللہ جنہوں نے اپنی ساری زندگی ایجوکیشن یورپ میں مکمل کی تھی' انہیں اس سے بھی کوئی فرق نہیں پڑا تھا اور انہوں نے اپنے عزیز از جان دوست شاہ زمان کی کوئی بھی نصیحت سننے سے انکار کر دیا تھا۔ حتیٰ کہ آپا کی خاموشی بھی انہیں فیصلہ بدلنے پر مجبور نہ کر سکی تھی۔ آپا جنہوں نے ماں باپ کے بعد ہر طرح سے ہی ان کا خیال رکھا تھا۔

غربت کوئی جرم نہیں ہے محب! لیکن۔۔۔" وہ جوان کے منہ سے شادی کی بات سن کر بے حد خوش ہوئی گئی تھیں" کہ وہ کسی طرح شادی کے لئے راضی تو ہوئے سلطانہ کے متعلق تفصیل جان کر خاموش سی ہو گئی تھیں۔ "لیکن ویکن کچھ نہیں آپا! میرے دل نے پہلی نظر میں یہ اسے پسند کر لیا ہے' ورنہ آپ جانتی ہیں' میرا شادی وغیرہ کا کوئی ارادہ نہیں تھا' جو خاندانی طور طریقے وہ نہ جانتی ہوگی' وہ آپ اس کو سکھا لیجیے گا۔" ان کا انداز حتمی تھا۔ لیکن اس ایک سال دس دن میں وہ کچھ بھی نہ سیکھ پائی تھی۔ حالانکہ آپا اپنے گھر کے کام چھوڑ کر دن میں کئی گھنٹے اس کے ساتھ گزارتی تھیں۔ وہ بالکل ان پڑھ تھی۔ اس کے بات کرنے کا انداز بالکل گنواروں جیسا تھا' لباس کے معاملے میں اس کا ذوق بے حد خراب تھا۔ صرف چند دن بعد ہی محب اللہ کو احساس ہو گیا تھا کہ ان سے زندگی کی سب سے بڑی غلطی سرزد ہو چکی ہے۔ صرف دور سے شکل و صورت دیکھ کر انہوں نے اپنی زندگی کا اتنا اہم فیصلہ کر لیا تھا۔ کس قدر حماقت ہوئی تھی

ان سے۔۔۔ لیکن شاید دل کی شرارتیں ایسی ہی ہوتی ہیں۔ شاہ زمان نے اس شادی کے لئے اس کے بھائی صادق کو پورا ایک لاکھ روپیہ دیا تھا' جس پر وہ خاصا خوش سا تھا۔ "شانو کے کیریئر کا ابھی آغاز ہوا تھا شاہ جی! یہ شادی نہ ہوتی تو اس نے ایسے لاکھوں کمانے تھے۔ ہمارا تو جی مستقبل تباہ کر رہے ہیں آپ۔" "جانتا ہوں کتنے کمانے تھے' زیادہ "بک بک نہ کرو شکر نہیں کرتا کہ بہن کا گھر بس رہا ہے۔

سلطانہ کے باپ نے بیٹے کو گلی دے کر بات پکی کر دی تھی۔ سادگی سے نکاح ہوا تھا۔ ولیمے کی تقریب میں بھی مختصر سے لوگ تھے۔ صرف چند فیملی فرینڈز۔ محب اللہ کے بہنوئی نہیں چاہتے تھے کہ اخباروں میں آئے کہ ملک محب اللہ خان نے ایک سٹیج گلوکارہ سے شادی کر لی ہے۔ شادی پر اور ولیمے پر اسے پارلر سے تیار کروایا گیا تھا' اور وہ حقیقتاً خوبصورت لگ رہی تھی' لیکن خوبصورتی صرف ظاہری ہی تو نہیں ہوتی۔ خوبصورتی صرف قد و قامت اور چہرے کے خد و خال کا نام تو نہیں ہے۔ خوبصورتی تو بات چیت' اٹھنے بیٹھنے کے طریقے' گفتگو ہر شے سے مکمل ہوتی ہے اور محب اللہ خان شدت سے سوچنے لگے تھے کہ سلطانہ بیگم کا حسن ادھورا ہے' نامکمل ہے۔ کتنی ہی بار باتوں باتوں میں انہوں نے اسے سمجھایا تھا کہ وہ آپا کی باتوں کو دھیان سے سن کر سمجھنے کی کوشش کرے۔ چیختے چلاتے رنگ کے کپڑے' شوخ میک اپ ان کی سوسائٹی میں سوٹ نہیں کرتا۔ محبت تو ابتدائی چند دنوں کے بعد ہی گہنا گئی تھی۔ اب تو بس رشتہ نبھانے والی بات تھی۔ وہ پچھتانا نہیں چاہتے تھے' لیکن پچھتاوے ان کے اندر بیٹھے ڈنک مارتے رہتے تھے' پھر بھی حتی الامکان وہ خود کو سنبھالنے کی کوشش کرتے تھے۔ آخری نظر آئینے پر ڈال کر سلطانہ ان کے قریب آئی۔ "تم کو تیار نہیں ہونا محب اللہ۔" "آپ کہہ کر تو اس نے شاید ایک آدھ بار ہی بلایا تھا۔ تنہائی میں تو خیر تھی' لیکن سب کے سامنے جب وہ محب اللہ کو تم اور تو کہہ کر بلاتی تو برا لگتا تھا۔ ایک بار آپا نے ٹوکا تو کھی کھی کر کے ہنس پڑی۔ "لو' محب اللہ میرا شوہر ہے یا باپ جو آپ کہہ کر بلاؤں۔

میری بھرجائی نے ایک بار صادق بھائی کو آپ کہہ کر بلایا تھا' تو میرے ابا نے فوراً ٹوک دیا کہ تیرا باپ نہیں ہے' خاوند ہے تیرا۔" آپا چپ ہو گئی تھیں اور وہ شرمندہ۔ "نہیں' میرا موڈ نہیں رہا جانے کو۔" وہ کرسی سے اٹھ کر بیڈ پر بیٹھ گئے' اور جھک کر جوتے اتارنے لگے۔ "نہ تو میں ویسے ہی اتنی تیار ہوئی ہوں۔" اس کا موڈ خراب ہو گیا تھا۔

"اب ذرا گھما لاؤ۔۔۔ باہر سے کھانا کھلاؤ اور پھر مجھے بھائی صادق کی طرف لے جاؤ۔ اتنے دن ہو گئے ادھر گئے ہوئے۔" "ابھی دو دن پہلے تو صادق ادھر آیا تھا۔" "تو' میں تو نہیں گئی نا۔" "میں بہت تھکا ہوا ہوں سلطانہ اور میرے سر میں بھی درد ہے' پلیز۔" ان کا لہجہ بدستور نرم تھا۔ اس ایک سال دس دن میں بھی انہوں نے سلطانہ سے اونچی آواز میں بات نہ کی تھی۔ حالانکہ انہیں اس کی بہت سی سرگرمیوں پر اعتراض تھا' جس میں صادق کا وقت بے وقت ان کے گھر آنا بھی انہیں برا لگتا تھا۔ وہ انتہائی لالچی آدمی تھا۔ جب بھی آتا سلطانہ سے کسی نہ کسی بہانے کچھ مانگ لیتا اور ڈھیٹ اس قدر تھا کہ ملک محب اللہ کے آگے ہاتھ پھیلاتے ہوئے بھی اسے جھجک نہ ہوئی تھی' اور اس کے جانے کے بعد سلطانہ انہیں جتانا نہ بھولتی کہ صرف ان کے ساتھ اس کی شادی کر دینے سے اس کے گھر والوں کا کتنا نقصان ہوا تھا۔

شمورانی نے میرے ساتھ ہی گانا شروع کیا تھا۔ ایسی بھدی آواز میں کہ میرے سامنے پانی بھرتی نظر آتی تھیں' لیکن اب ان کی گڈی چڑھ گئی ہے' لاکھوں کما رہی ہیں۔" لہٰذا صادق اپنی کسی ضرورت کے لئے ان سے کچھ مانگتا ہے تو یہ اس کا حق ہے۔ وہ تاسف سے اسے دیکھتے۔ کیسی ناشکری عورت تھی وہ۔ شکر ادا نہیں کرتی تھی کہ ایک گھر اور چار دیواری کا تحفظ مل گیا تھا۔ "اچھا تو پھر میں ہی چلی جاتی ہوں ڈرائیور کے ساتھ۔ اب اتنی تیار شیار ہوئی ہوں تو اماں ابا اور بھائی صادق سے مل لوں گی۔" انہوں نے اثبات میں سر ہلا دیا۔ وہ اس سے کوئی بحث نہیں کرنا چاہتے تھے۔ "اچھا تو پھر تین چار ہزار روپیہ بھی دے دیں خرچے کے لئے' کچھ میرے پاس ہیں' بڑی اچھی فلم لگی ہوئی ہے "تاج محل" میں' سب دیکھنے جائیں گے اور کچھ کھائیں پئیں گے۔" "آپ سارا سارا دن وی سی آر پر فلمیں دیکھ دیکھ کر نہیں تھکتیں۔" محب اللہ خان کے لہجے میں بیزاری تھی۔ "نہ تو فلمیں نہ دیکھوں تو اور کیا کروں۔ گانے پر تو تم نے پابندی لگا دی ہے۔ تھیٹر پر جانا بھی بند کر دیا۔" "گھر میں کرنے کو ڈھیروں کام ہوتے ہیں سلطانہ۔" انہوں نے آہستگی سے کہا' جسے اس نے سنی ان سنی کر دیا۔

اچھا' پیسے تو دو نا بھائی صادق بتا رہا تھا بڑی اچھی فلم ہے "مولا جٹ ان لندن۔" محب اللہ نے خاموشی سے پانچ ہزار نکال کر اسے دے دیئے اور والٹ ٹیبل پر رکھتے ہوئے ٹانگیں بیڈ پر رکھ لیں۔ "پلیز جاتے ہوئے کچن میں چائے کے

لئے بہہ دیجئے گا۔" اس نے اثبات میں سر ہلاتے ہوئے پیسے گن کر پرس میں رکھے۔ پلنگ کے نیچے سے سرخ رنگ کی ہیل والی جوتی نکالی اور کھٹ کھٹ کرتی ہوئی باہر چلی گئی۔ محب اللہ خان کے سر میں یکا یک ہی درد ہونے لگا تھا۔ آنکھیں موند کر تکیے پر سر رکھ دیا۔ کیسے گزرے گی اتنی لمبی زندگی اور کیونکر۔۔۔ سلطانہ بیگم کی ہر ادا ہی نرالی تھی' اور وہ کچھ سمجھنے کو تیار ہی نہ تھی۔ آپا بیگم بھی کوشش کر کر کے ہار گئی تھیں۔ محبت کو باورچی کے ہاتھ کا پکا پسند نہیں۔ کہتا ہے ساری زندگی دوسروں کے ہاتھ کا پکا کھایا ہے۔ گھر کے کھانوں کو ترسا ہوا ہے تو دل آجاتی تھی ہفتے بعد' کچھ نہ کچھ بنا کر رکھ جاتی تھی۔ اب تم آگئی ہو تو اپنے ہاتھ سے کچھ نہ کچھ بنا دیا کرو۔" "میں۔۔۔" سلطانہ بیگم نے آنکھیں پھاڑ "کرا نہیں دیکھا تھا۔ "ہاں' تم دلہن۔۔۔" "لیکن مجھے کبھی پکانا نہیں آتا۔

اب وہ ایسے بھی دولت مند خاندان کی نہ تھی کہ گھر میں باورچی ہوں۔ آپا کو غصہ آگیا تھا' لیکن وہ ضبط کر گئیں۔ "کیا گھر میں کبھی کچھ نہیں پکا؟" "نہیں۔" اس نے نفی میں سر ہلا دیا۔ "بس کبھی کبھار عید' بقر عید یا کسی تہوار پر ہی گھر میں کچھ پکتا تھا' ورنہ تو بازار سے ہی آتا تھا کھانا۔ اماں کہتی تھیں دس روپے کے چنے یا حلیم منگواؤ تو پورا گھر پیٹ بھر کے کھا لیتا ہے۔ گھر میں ایک تو گھی لون مرچوں کا اتنا خرچ' ایک ہانڈی پر بیس پچیس روپے تو اٹھ جاتے ہیں' اوپر سے پکانے کی مصیبت الگ۔" آپا بیگم تاسف سے اسے دیکھنے لگیں۔ "بس صبح چائے ہی بنتی تھی گھر میں' کبھی پاپوں کے ساتھ پی لی اور کبھی بہت عیش ہوئے تو حلوہ پوری آگیا ناشتے میں۔" "خیر جو طور طریقے تمہارے میکے میں تھے' یہاں تو نہیں چل سکتے۔ محب کو کم مرچوں والے کھانے پسند ہیں۔ عمر کا زیادہ حصہ اس نے یورپ میں گزارا ہے۔ اس کی پسند کے دو چار کھانے میں تمہیں سکھا دیتی ہوں۔" سلطان سلطانہ بیگم نے نخوت سے کندھے اچکائے۔

باورچی ہے تو' اس کو بتا دیں' پکا دیا کرے گا۔" جہاں آپا بیگم یہ ٹکا سا جواب سن کر ششدر رہ گئی تھیں' وہیں" محب اللہ خان بھی شرمندہ ہو گئے تھے۔ "واہ محب اللہ خان! عمر کے بتیس سال اس لڑکی کے انتظار میں ضائع کر دیئے تم نے۔ یہ تھی تمہاری آئیڈیل۔" ان کے لبوں پر طنزیہ مسکراہٹ بکھر گئی۔ کہاں کہاں سے انہوں نے خود کو بچایا تھا۔ سوزی تو ان کے پیچھے ہی پڑ گئی تھی۔ جانے کہاں سے اس کو پتا چل گیا تھا کہ وہ ایک امیر زادے ہیں اور پاکستان میں بہت بڑی پراپرٹی ہے۔ بے چاری مغربی عورت' چار دیواری اور تحفظ کو ترسی ہوئی' پیسے کی ہوس سے لبالب

بھری۔ آپا نے جب خدشہ ظاہر کیا تھا کہ کہیں وہ وہیں کسی گوری میں تو دل نہیں اٹکا بیٹھے تو وہ دل کھول کر ہنسے تھے۔

"توبہ کریں آپا اتنا بے وقوف نہیں ہے آپ کا محب! زندگی کے ساتھی کے لئے میری بڑی مختلف سی چوائس ہے۔"

"اور یہ تھی میری مختلف چوائس۔۔۔؟" انہوں نے آنکھیں کھول کر سامنے دیوار پر لگی بڑی سی تصویر کو دیکھا' جس میں دلہن بنی ہوئی وہ ان کے ساتھ کھڑی تھی۔ قیامت کی حد تک حسین' لیکن اس کی آنکھوں کی بے باکی تصویر میں بھی واضح تھی' اور یہ بے باکی انہیں کیوں دکھائی نہ دی تھی۔ یہ دل' یہ ضدی بچہ اس نے مہلت ہی کب دی تھی انہیں اسے دیکھنے اور پرکھنے کی۔

ایک سرد آہ بھر کر وہ اٹھ بیٹھے۔ ملازم اس دوران چائے رکھ گیا تھا۔ چائے پی کر وہ کمپیوٹر کے سامنے جا بیٹھے۔ بارہ بجے تک سلطانہ واپس نہیں آئی تھی۔ یقیناً نو سے بارہ کا شو دیکھ کر وہ حسب معمول ایک بجے تک واپس آئے گی۔ نائٹ بلب جلا کر وہ سونے کے لئے لیٹ گئے' اور جانے کب انہیں نیند آ گئی۔ انہیں خبر نہیں ہوئی تھی کہ سلطانہ کب آئی تھی۔ تین چار راتوں کی مسلسل ٹینشن کے بعد آج انہیں نیند آئی تھی' اور یہ غالباً خواب آور دوا لینے کا اثر تھا کہ صبح وہ اٹھے تو فریش سے تھے۔ سلطانہ گہری نیند سو رہی تھی' اور سوتے میں وہ انہیں انتہائی معصوم اور بے ضرر سی لگی۔ بے باک آنکھیں خوابیدہ تھیں۔ لمبی پلکیں رخساروں پر سایہ فگن۔ لمحہ بھر وہ اسے دیکھتے رہے' اور اگر یہ وہ سارے طور طریقے سیکھ لے' جو میرے لئے پسندیدہ ہوں تو زندگی کا یہ سفر اتنا مشکل نہ لگے۔ پڑھائی اور بات چیت کے آداب سکھانے کے لئے کوئی اچھی ٹیوٹر رکھ لوں' جو اسے اٹھنے بیٹھنے' اوڑھنے پہننے کا سلیقہ بھی سکھائے تو ممکن ہے' بلکہ یقیناً کچھ نہ کچھ بہتر ہو جائے گا۔ اس خیال نے انہیں بڑی تقویت دی۔ چنانچہ ناشتہ کر کے وہ سیدھے آپا کی طرف ہی چلے آئے کہ آپا سے بہتر کوئی اور ان کا درد اور مشکل نہیں سمجھ سکتا تھا۔ آپا نے ان کی تائید کی۔ "ٹھیک ہے' میں دیکھتی ہوں۔" لیکن یہ سب کچھ اتنا آسان نہ تھا۔ ایک کے بجائے دو دو ٹیوٹر لگائی گئیں۔ ایک پڑھنا لکھنا سکھانے کے لئے اور دوسری ایک ماہر بیوٹیشن تھی' لیکن سب بے فائدہ جا رہا تھا۔ اس نے الف سے آگے پڑھ کر نہ دیا تھا۔ وہ کوئی پندرہ سولہ سالہ لڑکی تو تھی نہیں' دیکھنے میں چوبیس پچیس کی لگتی تھی' لیکن آپا کا خیال تھا کہ اس کی عمر تیس سے کم نہیں' بلکہ زیادہ ہی ہو گی۔ سو بوڑھے طوطے بھلا کیا

بچھتے۔ وہ بیوٹیشن سے سب سیکھتی بالکل ویسا ہی کر کے دکھا بھی دیتی' لیکن جب تیار ہوتی تو وہی چیختا چلاتا میک اپ' گہرے رنگوں کے کپڑے' ہاں ساڑھی باندھنا اس نے سیکھ لیا تھا' مگر انتخاب وہی سرخ' جامنی اور گلابی ہی تھا۔ یہ رنگ اس پر اتنے برے نہیں لگتے تھے' لیکن ساتھ ہی گہرا میک اپ انہیں برا بنا دیتا تھا۔ ان ہی دنوں گھر میں اجنبی لوگوں کی آمد شروع ہو گئی۔ عجیب و غریب حلیوں کے مرد اور عورتیں۔ "کون ہیں یہ لوگ؟" انہوں نے پوچھا۔ "ہمارے رشتہ دار ہیں۔" سلطانہ کا جواب تھا۔ "یہاں کیا کرنے آتے ہیں؟" "ملنے آتے ہیں۔ ایک تو تم نے گانے پر پابندی لگادی ہے۔ میرے اندر کا فنکار مار دیا ہے۔ بس دل کی تسلی کے لئے ذرا ہلا گلا کر لیتے ہیں۔ صادق تو کہتا ہے کہ مجھے گانا شروع کر دینا چاہئے۔ بہت شہرت ملے گی۔" "فضول مت بولا کریں آپ۔ ایک بات جب پہلے طے ہو گئی تھی تو۔۔۔" انہیں غصہ آ گیا۔ "تو اس میں حرج ہی کیا ہے۔ صادق نے بھی کہا تھا کہ ابھی بات مان لو بعد میں منوا لینا۔" "ہائے' میں گانا نہیں چھوڑ سکتی خان۔" اس نے لاڈ سے اپنا سر ان کے سینے پر رکھ دیا۔ وہ ایک جھٹکے سے پیچھے ہٹ گئے۔ چہرے پر ناگوار شکنیں تھیں' اور ضبط کی کوشش میں چہرہ سرخ ہو رہا تھا۔

وہ ہے نا نذیر علی وہ کہہ رہا تھا میرے گلے میں تو سُر خود بولتے ہیں۔ میرے ماے کا پتر ہے۔ ہم نے ایک گانا اکٹھے گایا تھا سٹیج پر' بڑی واہ واہ ہوئی تھی۔ دیکھا تھا کل تم نے نذیر علی کو۔ وہ اونچا لمبا سا مونچھوں والا۔" "اگر یہاں میرے ساتھ رہنا ہے سلطانہ! تو یاد رکھیں کہ یہ گانا وانا سب بھول جائیں' اور مجھے ان لوگوں کی یہاں آمد بھی پسند نہیں ہے۔" وہ انتہائی سختی سے کہہ کر کمرے سے باہر نکل گئے۔ "ہوں۔" ان کے جانے کے بعد اس نے کندھے اچکائے۔ صادق نے اچھی طرح سمجھا دیا تھا اسے۔ "تیرے پاؤں جم گئے ہیں شانو! یہ خان ساتھ نبھانے والا لگتا ہے۔ بس اب تو اپنی کر' اپنی منوا' تیری اور نذیر علی کی جوڑی بڑی مقبول ہو گی۔ پیسہ ہی پیسہ۔۔۔ بارش ہو جائے گی پیسے کی۔" "لیکن خان کے پاس تو خود ہی بڑا پیسہ ہے۔" "جھلی ہے تو نری۔ وہ پیسہ تیرے پاس تھوڑا ہے۔ مانگ مانگ کر لینا پڑتا ہے تجھے' پھر اتنا کمائے گی تو اس میں بھائی کا بھی خیال کر لینا۔ یہ پروڈیوسر اتنا کم دیتے ہیں کہ ایک وقت کی روٹی بھی مشکل سے پوری ہوتی ہے۔ تیرے بیاہ سے بڑا نقصان ہوا۔ دو چار پیسے جو تو کماتی تھی' وہ بھی گئے۔

لو پچھلے ہفتے تو دس ہزار دیے تھے۔" "وہ تو اماں کی بیماری میں لگ گئے۔" وہ اور پیسے نکال دیتی اور وہ روز یونہی"

بہانے بنا بنا کر اس سے رقم لیتا رہتا تھا۔ روپے پیسے کا تو کوئی مسئلہ نہ تھا' وہ جتنے مانگتی محب اللہ خان خاموشی سے اس کے حوالے کر دیتے۔ تکلیف دہ بات تو نذیر علی اور سلطانہ کی بے تکلفی تھی۔ نذیر علی ہر تیسرے چوتھے دن چلا آتا تھا۔ شروع شروع میں تو صادق یا کوئی اور عورت یا مرد ساتھ ہوتا' بعد میں اکیلے ہی آنے لگا۔ پرانے ملازمین محب اللہ کو رپورٹ ضرور دیتے تھے کہ ان کی عدم موجودگی میں کون کون آیا؟ کئی بار وہ آفس سے آئے تو ڈرائنگ روم میں وہ موجود ہوتا۔ سلطانہ اور اس کے قہقہے بیڈ روم تک سنائی دیتے تھے۔ کئی بار انہوں نے اپنی گاڑی میں سلطانہ اور نذیر علی اور صادق کو کسی ہوٹل میں جاتے دیکھا۔ آفس سے اچانک کسی کام سے اٹھنے پر انہوں نے ایک بار سگنل پر ایک ہوٹل کے باہر اپنی گاڑی دیکھی۔ یہ سب ان کے لیے انتہائی تکلیف دہ تھا۔ ایک دن تکلیف حد سے بڑھی تو وہ آپا کے سامنے رو پڑے۔ "مجھے لگتا ہے آپا! میرے دماغ کی رگیں پھٹ جائیں گی۔" "جب جوتی تکلیف دینے لگے تو اسے بدل لینا چاہئے۔" آپا نے ان کا سر سینے سے لگایا۔ "اور۔۔۔" وہ کچھ کہتے کہتے جھجکیں۔ "مانا ہمارے خاندان میں طلاق معیوب سمجھی جاتی ہے' لیکن خاندان کو بدنامی سے بچانے کے لیے ضروری ہے کہ تم سلطانہ کو فارغ کر دو۔ کل

تمہارے بھائی صاحب بھی بتا رہے تھے کہ کل کسی دوست کے ساتھ ہوٹل گئے کھانا کھانے' تو وہاں وہ کسی شخص کے ساتھ بیٹھی تھی' اور اس کے قہقہوں کی آوازیں اتنی بلند تھیں کہ لوگ مڑ مڑ کر دیکھ رہے تھے۔ تمہارے بھائی صاحب تو دروازے سے ہی پلٹ آئے کہ انہیں پکار لیا تو خوامخواہ بدنامی ہوگی۔" اور وہ اندر تک عرق ندامت سے بھیگ گئے۔ "بھائی۔۔۔" انہوں نے اس کی پیشانی چومی۔ "کبھی کبھی اپنے ہی جسم کے حصے کو کاٹنا پڑتا ہے۔ باقی جسم کو محفوظ رکھنے کے لیے۔" اور جب وہ آپا کے گھر سے نکلے تو فیصلہ کر چکے تھے' اور اس فیصلے نے انہیں بہت پرسکون کر دیا تھا۔ انہیں لگ رہا تھا جیسے ڈیڑھ سال بعد ان کے دل پر دھرا بوجھ کم ہوا ہو۔ گھر آئے تو خلاف توقع ڈرائنگ روم خالی تھا اور سلطانہ بیڈ روم میں لیٹی ہوئی تھی۔ "خیریت۔۔۔" ان کے ہونٹوں پر طنزیہ مسکراہٹ ابھری۔ "آج تمہارے ماموں کا پتر نہیں آیا؟" سلطانہ نے خوابناک آنکھوں سے انہیں دیکھا۔ "آج میری طبیعت ٹھیک نہیں۔" آواز میں "نقاہت شامل ہو گئی جبکہ چہرہ چمک رہا تھا۔ "خدانخواستہ' نصیب دشمناں کیا مرض لاحق ہو گیا۔

خان! آپ بھی بس۔" وہ اٹھ کر بیٹھ گئی۔ چہرے پر شرم کے آثار نظر آئے۔ "وہ صبح سے چکر آ رہے تھے' نذیر آیا تو

میں اس کے ساتھ ڈاکٹر کی طرف چلی گئی۔ ڈاکٹر نے کہا ہے کہ میں ماں بننے والی ہوں۔" "کیا۔۔۔؟" ان کا دل دھک سے رہ گیا۔ "لو جی' تمہیں تو سمجھ ہی نہیں آئی' باپ بننے والے ہو تم۔" سمجھ تو وہ گئے تھے' لیکن یہ کیا ہو گیا تھا۔ اس وقت جب وہ اسے علیحدہ کرنے کا فیصلہ کر چکے تھے۔ "نہیں۔" انہوں نے بے یقینی سے اسے دیکھا۔ "سچی تم نذیرے سے پوچھ لو بے شک۔" "شٹ اپ۔" انہوں نے ایک ناگوار سی نظر اس پر ڈالی۔ یہ نذیر اس کی زندگی کے ہر معاملے میں داخل ہو رہا تھا۔ کیا اسے زیب دیتا تھا کہ وہ نذیرے کے ساتھ ڈاکٹر کے پاس جاتی۔ یکدم ان کے سر میں درد کی شدید لہر اٹھی' وہ دونوں ہاتھوں میں سر تھامے ہوئے بیڈ کے کونے پر ٹک گئے۔ "لو' تم تو خوش ہونے کے بجائے اتنا غم زدہ ہو کے بیٹھ گئے ہو۔ خان! یہ تو خوشی کی خبر ہے کہ تم باپ بننے والے ہو۔ میری اماں کو اتنی فکر تھی کہ سال گزر گیا' کوئی خبر ہی نہیں۔

خدا نہ کرے تو۔۔۔ وہ اس روز میں نے وی سی آر پر فلم لگائی ہوئی تھی نا تو اس میں تو ہیرو کو جب پتا چلتا ہے کہ وہ باپ بننے والا ہے تو وہ خوشی سے پاگل ہو جاتا ہے اور۔۔۔" "خدا کے لئے سلطانہ بیگم اس وقت کچھ دیر کو خاموش ہو جایئے۔ نہ آپ ہیروئن اور نہ میں ہیرو۔" وہ جو فیصلہ کر کے آپا کے گھر سے اٹھے تھے' وہ فیصلہ تو جیسے بیچ منجدھار میں پھنسی کشتی کی طرح ڈولنے لگا تھا۔ قدرت یوں ہی انسانوں پر اثر انداز ہوتی ہے۔ وہ اٹھے اور مرے مرے قدموں سے چلتے ہوئے باہر لاؤنج تک آئے اور پھر اپنی سٹڈی میں چلے گئے۔ "آپا۔۔۔" کچھ دیر بعد ہی وہ آپا کو فون کر رہے تھے۔ "آپا! اب میں کیا کروں؟" وہ روہانسے ہو رہے تھے۔ کچھ دیر پہلے جس بوجھ سے وہ خود کو آزاد سمجھ رہے تھے' وہ دگنا ہو گیا تھا۔ "محب۔۔۔ میری جان۔۔۔ کچھ بھی مت کرو' حوصلہ کرو۔ اللہ اپنی حکمتیں خود جانتا ہے۔ میرے باپ کے گلشن میں مدت بعد بہار آنے والی ہے۔ اس گھڑی کے لئے تو میں نے بہت دعائیں کی تھیں محب۔" خوشی سے ان کی آواز کانپ رہی تھی۔ وہ اتنی دور سے بھی ان کے چہرے پر کھلتے رنگوں اور آنکھوں میں دمکتی خوشی کو دیکھ رہے تھے۔ "مگر آپا۔۔۔" ان کی سسکی نکل گئی۔ "اس عورت کے ساتھ کیسے' کیسے آپا۔

محب میں آ رہی ہوں ابھی۔" انہوں نے فون بند کر دیا۔ جانتی تھیں کہ اس وقت محب اللہ کو ان کے سہارے کی" بہت ضرورت ہے۔ وہ جو ان کے گھر سے اٹھتے ہوئے ان کے چہرے پر سکون کے رنگ بکھرے تھے' وہ جو فیصلہ

کر کے بہت مطمئن تھے' یکایک یہ کیا ہو گیا تھا۔ انہیں اپنی حالت اس وقت کسی ایسے مسافر کی سی لگ رہی تھی' جو منزل پر پہنچ کر بھی نامراد رہا ہو۔ وہ لاؤنج میں بیٹھ گئے۔ کچھ دیر بعد آپا مٹھائی کی ٹوکریوں سے لدی پھندی آ گئیں۔ "آپا۔۔۔" انہیں دیکھ کر وہ بکھر گئے۔ آپا نے ان کا ہاتھ تھام کر' ان کا سر سینے سے لگا کر انہیں تسلی دی تھی۔ "کیا تم یہ برداشت کر سکو گے کہ تمہارا بچہ اس چھوٹے سے گھر میں' اس ماحول میں جنم لے' پلے بڑھے۔" اور وہ جو آپا کے آنے سے پہلے سوچ رہے تھے کہ بچہ ہو جائے تو پھر تو طلاق دی جا سکتی ہے' ایک دم ڈھے سے گئے۔ ایک کلکاریاں مارتا بچہ تصور میں آیا' اور پھر سلطانہ بیگم کا گھر۔ سٹیل کی بڑی سی پلیٹ میں زمین پر بیٹھ کر لڑ لڑ کر کھانا کھاتے سلطانہ کے بھتیجے بھتیجیاں۔ "اوہ نو۔۔۔" انہوں نے خود ہی نفی میں سر ہلایا۔

"کبھی کبھی زندگی میں سمجھوتے کرنے پڑتے ہیں بھائی۔" آپا بیگم نے نرمی سے کہا۔ "اور اب یہ جانے آپا کے سمجھانے کا اثر تھا' یا پھر خود ہی باپ بننے کی انوکھی خوشی' کسی کلی کی طرح دل کے اندر کھل اٹھی تھی کہ وہ سلطانہ کا بہت خیال رکھنے لگے۔ اس کی ناگوار باتوں کو بھی برداشت کرتے رہے۔ خود اسے ساتھ لے کر ایک بڑے ہسپتال میں اس کا نام درج کروایا۔ باقاعدگی سے چیک اپ کے لئے لے کر جاتے۔ اس کی خوراک کا خیال رکھتے۔ سلطانہ تو ان دنوں ہواؤں میں اڑ رہی تھی۔ صادق نے سمجھایا تھا۔ "اب اس گھر میں تمہارے قدم مضبوط ہو گئے ہیں' جو چاہو حاصل کر لو' بچہ ہو جائے تو سب سے پہلے گھر اپنے نام کروانا' کچھ جائیداد اور بینک بیلنس بھی نکلوا لو۔" "لیکن صادق بھائی! گھر میرا اور میرے بچوں کا ہی ہو گا۔" "پگلی ہو تم' ان بڑے لوگوں کا کیا پتا' کب دل بھر جائے۔" اور سلطانہ کی سمجھ میں بات آ گئی تھی۔ گو اب بھی صادق کبھی کبھی نذیر علی اور ایک دو بندوں کے ساتھ آ جاتا۔ محفلیں جمتیں' گیت گائے جاتے اور ہلا گلا ہوتا' محب اللہ خان بہت جزبز ہوتے۔ جب انہیں پتا چلتا کہ ان کی عدم موجودگی میں گھر میں جمگھٹا رہا' لیکن جب سلطانہ آنکھوں میں آنسو بھر کے کہتی۔ "کیا کروں باہر بھی نہیں جا سکتی۔ اس حالت میں بیٹھے بیٹھے دل گھبراتا ہے۔ صادق اور نذیر علی آ جاتے ہیں تو دل بہل جاتا ہے۔"

وہ خاموش ہو جاتے کہ بچہ ہو جائے تو شاید خود ہی سلطانہ سنبھل جائے' لیکن ان کے سارے خواب' خواب ہی رہے۔ سلطانہ ایک بچی کی ماں بن گئی۔ بچی بے انتہا خوبصورت تھی۔ محب اللہ خان اور سلطانہ دونوں کا حسن چرا لائی تھی۔ آپا

نے بہت شوق سے اس کا نام ملائکہ رکھا تھا۔ ملائکہ کے لئے آیا رکھ لی گئی۔ سلطانہ کو اس کی ذرا پروا نہیں تھی۔ وہ بچی کی طرف سے بالکل بے نیاز تھی۔ چند ماہ بعد ہی وہ بچی کو آپا کی گود میں ڈال کر خود پہلے جیسی سرگرمیوں میں مصروف ہو گئی تھی' بلکہ اب وہ کچھ زیادہ ہی کھل گئی تھی۔ صادق نے اسے یقین دلایا تھا کہ اب وہ بچی کی ماں بن کر زیادہ مضبوط ہو گئی ہے۔ وہ کلفٹن کا ایک فلیٹ اپنے نام کروانے میں کامیاب ہو گئی تھی۔ محب اللہ بیٹی کی پیدائش پر واقعی اتنے خوش تھے کہ جب اس نے گفٹ کی فرمائش کی اور کلفٹن والے فلیٹ کو اپنے نام کرنے کو کہا تو انہوں نے اس کی بات مان لی۔ بہرحال اب وہ ان کی بیٹی کی ماں تھی' اب کوئی خطرہ نہیں تھا۔ یہ صادق کا خیال تھا' تب ہی وہ تو آزادانہ نذیر علی کے ساتھ گھومتی' بلکہ ایک دوبار محب اللہ خان کی لاعلمی میں سٹیج پر جا کر نذیر کے ساتھ گانا بھی گایا۔ محب اللہ خان کی کاروباری مصروفیات کچھ ایسی تھی کہ انہیں سلطانہ کی اس سرگرمی کا پتا ہی نہ چل سکا۔ ادھر ملائکہ اکثر بیمار رہنے لگی تھی۔ اس کا پیٹ خراب رہتا۔ دودھ ہضم نہ ہوتا۔ آپا بیگم جب بھی آتیں تشویش کا اظہار کرتیں۔ محب ڈاکٹروں کے پاس لے جاتے' لیکن دو چار دن بعد پھر وہی حال ہو جاتا' جو بچی بے انتہا خوبصورت اور صحت مند تھی' اب سوکھ کر کانٹا ہو گئی تھی ہر وقت ریں ریں کرتی رہتی۔ آپا کا جی چاہتا تو گود میں اٹھا کر گرائپ واٹر منہ میں دے

دیتی' ورنہ وہ کاٹ میں پڑی روتی رہتی' اور سلطانہ تو محب اللہ کے جانے کے بعد ہی گھر سے نکل جاتی۔ آپا بیگم نے دو تین بار اسے سمجھایا کہ وہ خود بچی کا خیال رکھا کرے۔ "آیا کس بات کی تنخواہ لیتی ہے۔" اس کے جواب نے آپا کو حیران کیا تھا' کہ یہ کیسی ماں ہے' لیکن وہ محب اللہ سے کچھ نہ کہہ سکیں۔ البتہ آیا کو خوب ڈانٹ پلائی۔ ان دنوں سلطانہ پر فلموں پر کام کرنے کا بھوت سوار ہو گیا تھا۔ صادق اور نذیر نے اسے یقین دلایا تھا کہ وہ اتنی خوبصورت ہے کہ تمام چوٹی کی ہیروئنوں کو پیچھے چھوڑ جائے گی۔ سو وہ نذیر کے ساتھ سٹوڈیوز کے چکر کاٹتی رہتی' یا پھر صادق کے ساتھ۔ ان ہی دنوں محب اللہ خان کو کاروبار کے سلسلے میں فرانس جانا پڑا' اور ان کا قیام وہاں تقریباً تین ماہ رہا۔ واپس آئے تو سلطانہ کے متعلق جو خبریں انہیں ملیں' اس نے انہیں حواس باختہ کر دیا۔ اس اثنا میں اسے کسی فلم میں معمولی سا کردار مل گیا تھا' اور وہ ہواؤں میں اڑ رہی تھی' اور محب اللہ خان کی ہر تنبیہ سے بے نیاز ہو کر دھڑلے سے نہ صرف سٹیج پر گانا گا رہی تھی' بلکہ ریڈیو پر ایک آدھ چانس بھی مل چکا تھا۔ محب اللہ خان حیرت سے شاہ زمان کی گفتگو سن رہے تھے' جو سب کچھ بتاتے ہوئے بے حد شرمندہ سا ہو رہا تھا۔ "اسی لئے میں نے تمہیں منع کیا تھا محب! تمہیں

اسے روکنا چاہئے تھا۔" "لیکن میں تو ملک سے باہر تھا' اور پھر جب یہاں تھا تب بھی پتا نہیں چلا۔ میں تو سمجھ رہا تھا کہ بیٹی کی پیدائش کے بعد وہ بدل گئی ہے۔" وہ آفس سے اٹھے تو قدموں میں جان ہی نہ تھی۔ اپنے آپ کو گھسیٹتے ہوئے گھر پہنچے۔ سلطانہ ان کی بے وقت آمد پر حیران ہوئی۔

تم اس وقت۔" دو دن سے وہ گھر پر ہی تھی۔ جب سے محب اللہ واپس آئے تھے' اور آج صادق نے اس سے کہا تھا" کہ وہ گیارہ بجے آجائے۔ ایک بڑے فلم پروڈیوسر سے ملنے جانا ہے۔"اس کی فلم ہٹ ہو گئیں تو سمجھو کہ بس۔۔۔" محب اللہ نے ایک چبھتی ہوئی نظر اس پر ڈالی۔"کہیں جا رہی تھیں آپ؟" "ہاں' وہ بھائی صادق نے بلایا تھا۔ اباکی طبیعت ٹھیک نہیں ہے۔" انہوں نے ایک گہری نظر اس پر ڈالی۔ گہرے میک اپ اور ہاتھوں' کانوں میں فل جیولری کے ساتھ وہ باپ کی مزاج پرسی کو جا رہی تھی۔ "بیٹھ جائیے' آپ کے والد تو غالباً اس وقت اپنی جاب پر ہوں گے۔" "جی۔۔۔" وہ کچھ سٹپٹائی اور بھاری پلو سنبھالتے ہوئے بیٹھ گئی۔"سلطانہ بیگم! آپ کو یاد ہو گا کہ ملائکہ کی پیدائش سے پہلے میں نے آپ کو کیا سمجھایا تھا۔" "تو میں نے کیا تمہاری عزت کو بٹہ لگایا ہے۔" "تو کوئی کسر بھی "نہیں چھوڑی آپ نے۔ میں نے گانے سے منع کیا تھا۔

تو کیا ہے' بڑے بڑے گھرانوں کے لوگ گا رہے ہیں۔" وہ چمک کر بولی۔ صادق نے ہمیشہ کہا تھا کہ بہادر بن کر' نڈر ہو کر بات کرنا' جب بھی محب اللہ نے ایسی کوئی بات کی۔ ظاہر ہے ایک دن پتا تو چلے گا ہی۔ "لیکن میں نے آپ کو سختی سے منع کیا تھا۔" محب اللہ خان ضبط کی انتہاؤں پر تھے۔"اور آپ نے' کسی فلم میں بھی۔۔۔" "کیا ہوا۔۔۔ تم یونہی ناراض ہو رہے ہو۔ ارے دیکھنا ایک دن جب میں ہیروئن بن جاؤں گی تو تم بھی فخر کرو گے کہ تم سلطانہ عرف شانی کے شوہر ہو۔" "شٹ اپ۔" ان کا ضبط جواب دے گیا۔"تم اپنا فخر اپنے پاس رکھو' اور آج کے بعد جی بھر کر گاؤ' ناچو' فلموں میں کام کرو۔ جو مرضی کرو' میں نے تمہیں طلاق دی۔" لمحہ بھر کو سلطانہ ہکا بکا ہوئی۔ دوسرے ہی لمحے ہنس پڑی۔ "تمہارا کیا خیال ہے کہ تم طلاق دو گے تو مجھ سے کوئی شادی نہیں کرے گا۔" "میرا کوئی خیال نہیں ہے سلطانہ بیگم! آپ میرے گھر کو خالی کر دیں' اور جو لینا چاہیں لے جائیں۔ قانونی اور کاغذی کارروائی قانون اور شریعت کے مطابق ہوتی رہے گی۔" سلطانہ نے سب کچھ سے سنا اور صادق کو فون کرنے لگی۔ محب اللہ خان نے ایک نظر اس پر ڈالی' اور پھر نڈھال قدموں سے چلتے ہوئے اپنی سٹڈی میں چلے گئے' اور وہاں فون پر آپا کو صورت حال

سے مطلع کیا۔ وہ بیڈ روم میں جانا نہیں چاہتے تھے تاکہ سلطانہ اپنا سامان وہاں سے اٹھالے۔ کچھ ہی دیر بعد آپا اور ان کے شوہر آگئے۔ فون پر ظاہر ہے تفصیلات نہیں بتائی جاسکتی تھیں۔ سلطانہ بیڈ روم میں تھی' وہ سیدھی سٹڈی میں چلی گئیں۔

تم نے ٹھیک کیا ہے محب اور بالکل صحیح وقت پر فیصلہ کیا ہے۔ اپنے خاندان کی عزت سر بازار اچھلتے دیکھنا آسان نہیں ہے اور بچی۔۔۔ بچی کا کیا ہو گا؟" "ہاں بچی!" انہیں اچانک ملائکہ کا خیال آیا۔ "اس سلسلے میں بات نہیں ہوئی' لیکن اگر سلطانہ اسے لے جانا چاہے گی تو میں روک نہ پاؤں گا۔" "ہماری بچی رل جائے گی محب۔" آپا ملول تھیں۔ "ایسے لوگوں سے جو اتنے لالچی اور گھٹیا ہوں' کوئی ڈیل کی جاسکتی ہے۔" بھائی صاحب نے مشورہ دیا' لیکن کسی ڈیل کی نوبت ہی نہ آئی۔ جب سلطانہ' صادق کے آنے کے بعد تین چار کپڑوں سے بھرے صندوق' سوزوکی میں رکھوا چکی۔ لاکر میں رکھے زیوروں سے بیگ بھر کر درازوں وغیرہ میں جتنی نقدی موجود تھی' وہ سب بھی نکال لی۔ صادق نے جاتے جاتے محب اللہ کا قیمتی پن بھی اٹھالیا۔ صادق کو بیگ دے کر وہ سٹڈی کی طرف بڑھی اور دروازے کے پاؤں سے کھولا۔ "سنو محب اللہ خان! جا رہی ہوں تمہارے گھر سے اور خوش ہوں بہت کہ تم جیسے تنگ نظر شخص سے جان چھوٹ گئی۔ چاہو تو ابھی تین طلاقیں دے دو۔ تم کیا سمجھتے تھے کہ میں روؤں' پیٹوں گی' تمہارے پاؤں پڑوں گی کہ اور دو طلاقیں مت دو۔ میرے پچھلے نہیں گئے تھے ہاں۔" محب اللہ ہونٹ بھینچے کھڑے تھے' آپا آگے بڑھیں۔

سلطانہ! ابھی بھی وقت ہے سوچ لو۔ ایسے ہی سانچے میں ڈھل جاؤ جیسے محب چاہتا ہے۔" "ہوں۔" وہ طنز سے ہنسی۔ "سانچے میں ڈھل جاؤ۔" تب ہی آیا ریں ریں کرتی بچی کو گود میں لیے نرسری سے باہر آئی۔ "بیگم صاحبہ جی! بے بی آج دودھ بھی نہیں پی رہی جتنا دودھ پیتی ہے ساتھ ہی قے کر دیتی ہے۔" کالی سوکھی سڑی آنکھوں کے گرد سیاہ حلقے' میلے کپڑے۔ ایک لمحہ کے لئے سلطانہ نے اس کی طرف دیکھا۔ تب ہی صادق نے پیچھے سے آکر اس کے کندھے پر ہاتھ رکھا۔ "چلو شانو!" "یہ۔۔۔ یہ ملکی۔۔۔" "جہیز میں نہیں لائی تھیں تم۔ جس کی ہے' سنبھال لے گا۔" "لیکن۔۔۔" سلطانہ نے کچھ کہنا چاہا۔ "چپ کرو' یہ مر گھلی مرتی ہوئی بچی لے کر کیا کرو گی۔ کون سنبھالے گا' نری مصیبت۔ تمہارا کیریئر نہیں بننے والا شانی اس کے ہوتے۔ اول تو یہ بچے گی نہیں' بچ گئی تو یہاں رہ کر زیادہ فائدہ پہنچا سکتی ہے

''تمہیں۔

سنو۔۔۔'' آپا کے میاں نے اسے آواز دی۔ ''بچی ہمارے پاس رہے گی' لیکن تمہارا اس پر کوئی دعویٰ نہیں ہو گا اور تمہیں لکھ کر دینا ہو گا۔'' ''لکھ دیں گے میاں جی! لیکن ایسے ہی نہیں پہلے طلاق کی کارروائی مکمل ہو جائے پھر بات ہو گی۔'' صادق' سلطانہ کو وہیں چھوڑ کر دو قدم پیچھے مڑا۔ اس کی آنکھوں میں یکدم چمک سی پیدا ہوئی۔ محب اللہ واپس بیٹھک کی طرف مڑ گئے تو آپا نے آیا کی گود سے بچی کو لے لیا۔ ''یہ کیسے۔۔۔'' محب اللہ نے کچھ کہنا چاہا تو آپا نے اسے تسلی دی۔ ''پہلے کون سا اسے سلطانہ کی گود میسر تھی' جواب کچھ فرق پڑے گا۔ میں پالوں گی اسے۔ بس تم اس کی طرف سے بے فکر ہو جاؤ اور پہلے تو کسی ڈاکٹر کو بلاؤ گھر پر' یا ہسپتال چلو۔ بچی کی حالت ٹھیک نہیں لگ رہی مجھے۔ سلطانہ تو تھی ہی ایسی' تم نے بھی بچی کی طرف کوئی دھیان نہیں دیا۔ غضب خدا کا کیسی پھول سی بچی تھی' اور کیا حالت ہو گئی۔'' محب نے سسکیاں لیتی بچی کی طرف دیکھا' اور ان کے دل کو جیسے کچھ ہوا۔ وہ یکدم اٹھ کھڑے ہوئے۔ ''آپ آیئے بچی کو لے کر۔ میں گاڑی نکالتا ہوں۔'' ڈاکٹر زاسے دیکھ کر حیران رہ گئے۔ ''آپ نے اب تک بچی کا چیک اپ کیوں نہیں کروایا۔ یہ ڈی ہائیڈریشن کا شکار ہے۔ جسم سے پانی تقریباً ختم ہو چکا ہے' حیرت ہے یہ اب تک زندہ کیسے ہے۔'' ملک محب اللہ پشیمان

سے ہو گئے۔ ''اللہ سے دعا کریں' ہم اپنی سی کوشش کرتے ہیں۔'' اور پھر اللہ نے دعائیں سن لیں۔ بچی زندگی کی طرف لوٹ آئی تھی' لیکن ایک اور مسئلہ اس کے سر پر لگی ہوئی چوٹ تھی۔ اس چوٹ نے دماغ کو بھی متاثر کیا تھا۔ آیا نے استفسار پر بتایا کہ چند ہفتے قبل وہ کاٹ سے گر گئی تھی۔ وہ صحت یاب تو ہو گئی تھی' لیکن اس کے منہ سے رال ٹپکتی رہتی تھی۔ اسی وجہ سے ڈاکٹرز اس کی دماغی صحت کے متعلق متذبذب تھے۔ آپا کی محنت اور دعائیں رنگ لائی تھیں۔ چند ہی ماہ میں اس کی رنگت لوٹ آئی تھی' اور وہ اتنی صحت مند اور پیاری ہو گئی تھی کہ دیکھنے والے کو بے اختیار اس پر پیار آتا' لیکن تین سال کی عمر تک اس نے بولنا شروع نہیں کیا تھا۔ محب اللہ خان اسے باہر بھی لے گئے۔ ڈاکٹروں نے انہیں اطمینان دلایا کہ وہ بولنے لگے گی۔ ہاں ہو سکتا ہے کچھ تاخیر سے بولے' یا ممکن ہے وہ ذہنی طور پر کچھ کمزور ہو' لیکن ابنارمیلٹی والی کوئی بات نہیں ہے۔ جب محب اللہ ملائکہ کو واپس لے کر آئے تو آپا نے ایک دن انہیں

گھیر لیا۔ "ایسا کب تک چلے گا محب؟" "کیسا آپا؟" "یہی کہ کب تک تنہا اور اکیلے زندگی گزارو گے۔ شادی کر لو۔"
"کی تو تھی۔" وہ افسردہ سے تھے۔

ضروری تو نہیں کہ ہر لڑکی سلطانہ جیسی ہو' پھر اپنے غلط فیصلے کی سزا کب تک خود کو دو گے' کب تک تنہا رہو گے۔" "ملائکہ ہے نا آپا تنہا کب ہوں۔" وہ مسکرائے۔ "لیکن ملائکہ کو تم مجھے دے چکے ہو۔" "آپ ہی کی ہے۔ آپ نہ ہوتیں تو شاید زندہ بھی نہ رہتی۔" "خیر زندگی دینے اور لینے والی ذات تو اللہ کی ہے۔" آپا نے محب اللہ کی طرف بغور دیکھا۔ ان تین سالوں میں جیسے ان کے چہرے اور آنکھوں کی چمک ماند پڑ گئی تھی۔ "محب! خلاف فطرت زندگی گزارنا تو رب کو بھی پسند نہیں ہے۔ ایک بار تم نے خود فیصلہ کیا تھا' ایک بار مجھ پر اعتماد کر کے دیکھو۔"
"میری سب سے بڑی نند کی بیٹی ہے مائرہ۔ بہت اچھی' سلیقے والی ہے' سمجھدار ہے' پڑھی لکھی ہے۔ اگر تم مان جاؤ تو میں تمہارے بھائی صاحب سے بات کروں۔" "ٹھیک ہے آپا!" ان کے سامنے تو وہ ہمیشہ بے بس ہو جاتے تھے۔ آپا کے لئے تو ان کی رضامندی ہی بہت تھی۔ وہ دوسرے دن ہی نند کے گھر جا پہنچیں۔ مائرہ سے بات کی' وہ بہت صاف گو لڑکی تھی۔ "مامی! مجھے کوئی اعتراض نہیں۔ آپ کے بھائی یقیناً بہت اچھے انسان ہیں' اور ان کی ہمراہی باعث فخر ہے میرے لئے۔ سلطانہ ان کی زندگی سے جا چکی' اس کا ذکر میرے لئے اہم نہیں' لیکن ملائکہ موجود ہے وہ معصوم بچی ہے لیکن ایک بات کی میں وضاحت کر دوں کہ شاید میں اس سے محبت نہ کر سکوں۔ میں اس کا خیال بھی رکھوں گی۔ میرا رویہ اس کے ساتھ

روایتی قسم کی سوتیلی ماؤں والا تو ہرگز نہیں ہو سکتا' لیکن میں نہیں سمجھتی کہ میں اس سے انصاف کر پاؤں گی۔"
"ملائکہ میری بیٹی ہے مائرہ! اور اسے میرے پاس ہی رہنا ہے۔" "آپا بہت مطمئن ہو گئی تھیں' چند ہی دنوں میں معاملات طے پا گئے۔ مائرہ ایک اچھی اور محبت کرنے والی بیوی ثابت ہوئی تھی۔ ہر لحاظ سے مائرہ ان کے معیار پر پوری اتری تھی۔ وہ آپا کے شکر گزار تھے' لیکن پتا نہیں کیوں سلطانہ والے واقعہ کے بعد ان کا دل نہیں لگتا یہاں۔ سو وہ آہستہ آہستہ کینیڈا کے لئے کوشش کر رہے تھے اور شادی کے صرف چھ ماہ بعد انہیں کینیڈا کی امیگریشن مل گئی' تو انہوں نے کینیڈا کے لئے رخت سفر باندھ لیا۔ آپا افسردہ تھیں۔ "اپنے وطن میں کیا برائی ہے محب؟" "بس

آپا دل اچاٹ ہو گیا ہے یہاں سے۔" جانے سے دو دن پہلے وہ آپا کے پاس آئے تھے۔ ملائکہ کے لئے ڈھیروں تحائف اور کھلونے لے کر۔ تب ہی چھوٹے چھوٹے گلابی فراک میں ملائکہ بھاگتی ہوئی آئی' تو انہوں نے دونوں بازو پھیلائے۔ وہ ان کے بازوؤں میں سما گئی۔ "بابا۔۔۔" اس نے ننھے ننھے ہاتھوں سے ان کا چہرہ اپنی طرف موڑ کر شاپر زکی طرف اشارہ کیا۔

یہ سب تمہارے ہیں میری جان پھر کہو بابا۔" آج پہلی بار اس کی زبان سے بابا نکلا تھا۔ "آپا۔۔۔" وہ خوشی سے بولے۔ "آپا آج صدقہ خیرات کر دیجئے گا' بہت سارا' میری بیٹی نے پہلا لفظ بولا ہے۔" "ہاں' آج صبح اس نے اماں بھی کہا' یہ ساری کوشش عرشی کی ہے۔ وہی سارا دن اس کے ساتھ لگا رہتا ہے۔" "میں آپ کا اور بھائی صاحب کا ہمیشہ ممنون رہوں گا۔ آپ نے جو کچھ میری بیٹی کے لئے کیا ہے میں وہ احسان کبھی۔۔۔" "فضول بات مت کرو محب!" آپا نے انہیں ڈانٹ دیا۔ "تمہاری بیٹی میرا اپنا ہی خون ہے۔" انہوں نے محبت سے ملائکہ کو دیکھا' جو محب اللہ کی گود میں بیٹھی اب ان کے کالر سے کھیل رہی تھی۔ آپا کی آنکھیں نم ہو گئیں۔ "پتا نہیں کب' کب پھر دیکھ پائے گی اپنے باپ کو۔" "آپا میں رابطہ رکھوں گا' آتا رہوں گا۔ فون پر تو بات ہوتی ہی رہے گی۔" انہوں نے آپا کی نم آنکھیں دیکھتے ہوئے تسلی دی' لیکن وقت اور حالات انسان کے تابع نہیں ہوتے۔ محب اللہ کینیڈا گئے تو ایسے کہ دس سال تک واپس نہ آئے۔ البتہ بہن سے فون پر رابطہ رہا۔ بیٹی سے بھی بات چیت ہوتی رہی۔ ان دس سالوں میں وہ دو بیٹوں اور ایک بیٹی کے باپ بن چکے تھے۔

دس سال بعد وہ بہنوئی کی وفات پر آئے تو ملائکہ کو دیکھ کر حیران رہ گئے۔ تیرہ چودہ سال کی ملائکہ نہ صرف یہ کہ بے حد حسین ہو چکی تھی' بلکہ ذہین بھی بہت تھی۔ وہ بچی جس کے متعلق ڈاکٹروں کا خیال تھا کہ شاید وہ اپنے ہم عمر بچوں کے مقابلے میں ذہنی طور پر کچھ کمزور ہو گی' وہ پڑھائی میں سب سے آگے تھی۔ غیر نصابی سرگرمیوں میں بھی بہت شوق سے حصہ لیتی تھی۔ ڈھیروں کپ اور ٹرافیاں اور کتابیں جب اس نے محب اللہ خان کو دکھائیں تو اللہ کی اس مہربانی پر محب اللہ کی آنکھوں میں آنسو آ گئے۔ "محب! میں چاہتی ہوں ملائکہ کو تم مجھے میرے عرفان کے لئے دے دو۔" "آپا! یہ آپ ہی کی ہے' اس کے متعلق ہر فیصلہ آپ کو ہی کرنا ہے۔" محب اللہ خان ایک ماہ بعد جب واپس جا

رہے تھے' وہ ننھے بچوں کی طرح رو رہی تھی۔ "آپ پھر کب آئیں گے؟" "بہت جلد گڑیا۔" لیکن وہ اپنا وعدہ نبھا نہ سکے۔ وقت تیزی سے گزرتا گیا' اور مزید دس سال بیت گئے۔ ملائکہ نے گوماسٹرز کر لیا تھا' لیکن وہ چھوٹی سی چھوٹی بات بھی آپا سے پوچھتی تھی۔ "پھوپھو! میں یہ ریڈ کپڑے پہن لوں۔ یہ سکارف اوڑھ لوں' یہ کتاب خرید لوں۔" وہ خود سے فیصلہ نہ کر پاتی تھی۔ کئی بار آپا نے سمجھایا۔

چندا! اپنے اندر اعتماد پیدا کرو' خود فیصلہ کرو کہ تمہیں کون سی کتاب خریدنی ہے؟ کون سے رنگ کے کپڑے پہننے ہیں' کیا کرنا ہے۔" لیکن وہ فیصلہ ہی نہ کر پاتی' اور پھوپھو کی طرف بھاگتی پوچھنے کیلئے۔ بچپن میں عرفان اس کا خوب مذاق اڑاتا تھا۔ "امی! پانی پی لوں' واش روم چلی جاؤں۔" "یہ سکول نہیں ہے' گھر ہے بی بی! یہاں تم بغیر پوچھے پانی پیئے اور واش روم جا سکتی ہو۔" لیکن اس پر عرفان کی باتوں کا اثر نہیں ہوتا تھا۔ وہ یونہی ذرا ذرا سی باتوں کے لئے آپا کی طرف دیکھتی تھی۔ ان دنوں وہ فرسٹ ایئر میں پڑھتی تھی' جب ایک آپا کو کسی کام سے باہر جانا پڑا تو سکول سے آ کر وہ رات تک بھوکی بیٹھی رہی۔ آپا آئیں تو حیران رہ گئیں۔ "ملائکہ بیٹا! ملازمہ سے کہنا تھا۔ وہ کھانا لگا دیتی۔ اب تک بھوکی بیٹھی ہو۔" "آپ جو نہیں تھیں تو۔۔۔" وہ رو پڑی تھی' اور تب آپا نے سنجیدگی سے سوچا تھا کہ ملائکہ میں جو اعتماد کی کمی ہے' اس کے لئے انہیں سنجیدگی سے کچھ کرنا چاہیے۔ انہوں نے بچپن میں اس کو بالکل ہتھیلی کا چھالا بنائے رکھا تھا۔ اگرچہ وہ بالکل نارمل تھی۔ وہ اپنی کلاس کی ذہین لڑکیوں میں شمار ہوتی تھی' لیکن اگر کوئی خلاف مرضی بات ہو جاتی' تو یوں پاؤں مار مار کر چیخ چیخ کر روتی کہ رنگ سرخ ہو جاتا' سانس بند ہونے لگتا' اور ایسے میں رال بہنے لگتی۔ انہوں نے جب ڈاکٹروں سے بات کی تو انہوں نے یہی کہا کہ اسے ضد نہ دلائیں' اور کوشش کریں کہ اس کی ہر بات

مان لی جائے۔ یوں شاید انہوں نے اس کا خیال حد سے زیادہ رکھا تھا۔ ہر وقت اس کے ساتھ ہی رہتی تھیں' لیکن انہیں ہمیشہ ساتھ نہیں رہنا تھا۔ اسے اپنی ایک الگ زندگی شروع کرنا تھا' ایک گھر چلانا تھا' بچے پالنے تھے۔ انہوں نے عرفان اور محب اللہ سے مشورہ کر کے تھرڈ ایئر میں اسے لاہور کے کالج میں داخل کروا دیا۔ سب کا خیال تھا کہ ہوسٹل میں رہ کر اس کے اندر اعتماد پیدا ہو گا۔ "آپ مجھے لاہور کیوں بھیج رہی ہیں؟" وہ سخت گھبرائی ہوئی تھی۔

"وہاں کا معیار تعلیم بہت اچھا ہے۔ کینرڈ میں تمہارا ایڈمیشن ہوا ہے۔" "لیکن میں وہاں اکیلی۔۔۔ نہیں پھوپھو! میں یہیں پڑھ لوں گی۔ یہاں بھی تو سب اچھا ہے۔" "ہاں' لیکن میں چاہتی ہوں میری بیٹی بہت اچھے کالج میں پڑھے۔" "اچھا۔" وہ ان کی بات مان بھی لیتی تھی' قائل بھی ہو جاتی تھی' پھر بھی اس نے کہا تھا۔ "لیکن مجھے وہاں ڈر لگے گا پھوپھو۔" "وہاں اور لڑکیاں بھی ہوں گی' اور پھر میں اور عرفی تم سے ملنے آتے رہیں گے۔" یوں اسے لاہور بھیج دیا گیا۔ شروع شروع میں تو وہ بہت گھبرائی۔ تقریباً روز کلاس سے باہر نکل کر پی سی او سے فون کرتی۔ ہفتے بھر بعد آپا اس سے ملنے آئیں تو وہ ان کے گلے لگ کر

خوب روئی۔ وہ سیاہ شلوار پر سرخ ڈاٹس والی سیاہ شرٹ پہنے ہوئے تھی۔ میلے کچیلے کپڑوں میں ملبوس وہ ان کے گلے میں بانہیں ڈالے خوش خوش بیٹھی تھی۔ "ملائکہ! آپ نے کتنے دن سے کپڑے چینج نہیں کئے۔" "جب سے کراچی سے آئی ہوں۔" اس نے لاپروائی سے بتایا۔ "اب آپ بتائیں نا کون سے پہنوں؟" تو انہوں نے دونوں ہاتھوں سے سر تھام لیا۔ "ملائکہ! تم بچی نہیں ہو اب' یہ اتنے دن سے تم کالج بھی ان ہی کپڑوں میں جا رہی ہو۔" "نہیں' کالج میں تو دوسرے پہن کر جاتی ہوں۔ یہ تو ہاسٹل میں آ کر پہنتی ہوں۔" ایک لمحے کو تو ان کا جی چاہا کہ وہ اسے ساتھ واپس کراچی لے جائیں' معصومیت سے اپنی طرف تکتی ملائکہ پر انہیں بے طرح پیار آ رہا تھا' لیکن دوسرے ہی لمحہ انہوں نے دل پر جبر کر لیا کہ اس کا یہاں رہنا ہی بہتر تھا' اور شاید ان کا فیصلہ صحیح تھا۔ کچھ ہی عرصہ میں اس کے فرنڈز میں کمی آ گئی۔ اب وہ فون کر کے چھوٹی چھوٹی باتیں ان سے نہ پوچھتی تھی' اس لئے گریجویشن کے بعد آپا نے اسے واپس بلوا لیا۔ "اب ماسٹرز یہاں سے کرلو۔"

مگر میری فرینڈ تو لاہور میں ہی ایڈمیشن لے گی۔" وہ کچھ پریشان سی ہو گئی تھی۔ "اس نے کہا تھا کہ لاہور میں۔۔۔" میرا مطلب ہے پنجاب یونیورسٹی میں ایڈمیشن لیں گے۔" "اس کے کہنے سے کیا ہوتا ہے ملائکہ! تمہیں اب یہیں پڑھنا ہے۔" "اچھا۔" اس نے پھوپھو کی بات پر زیادہ حجت نہیں کی تھی' لیکن وہ کچھ دن اپ سیٹ سی رہی۔ دراصل اپنی روم میٹ مونا سے اس کی بہت دوستی ہو گئی تھی' اور مونا نے گویا پھوپھو کی جگہ سنبھال لی تھی۔ فیصل آباد سے آنے والی مونا اپنے بہن بھائیوں میں سب سے بڑی تھی' اور فطرتاً بہت خیال رکھنے والی تھی۔ اس نے کچھ دن تو

خاموشی سے ملائکہ کو دیکھا۔ وہ نہ تو اپنے بیڈ کی چادر درست کرتی تھی' نہ کمبل تہہ کرکے رکھتی۔ تین تین چار چار دن تک میلے کپڑے پہنے رکھتی۔ اپنا کپ دھونا بھی اسے عذاب لگتا تھا۔ اکثر یاد ہی نہ رہتا تھا کہ کپ اور پلیٹ دھو کر رکھنا ہے' لیکن پھر اس سے ملائکہ کی یہ لاپروائی برداشت نہ ہوئی۔ وہ ہولے ہولے اسے ٹوکنے لگی۔ "ملائکہ! یہ اپنا تولیہ سٹینڈ پر ڈال دو' کتابیں بیڈ سے ہٹا کر میز پر رکھ دو' یار! کپڑے چینج کرلو۔ یہ کیا چھ دن سے تم اسی جامنی شلوار پر تین شرٹ بدل چکی ہو۔" ملائکہ خاموشی سے اثبات میں سر ہلا کر اس کی بات مان لیتی تھی۔ اس بات نے مونا کو متاثر کیا۔ "یقیناً والدین کی اکلوتی بیٹی ہے' کام کی عادت نہیں ہے۔" اور پھر اس کی بے تحاشا خوبصورتی اور معصومیت' کئی کام اس نے خود ہی اپنے ذمے لے لیے تھے۔ غیر ارادی طور پر وہ

اس کا خیال رکھنے لگی تھی۔ جلد ہی دونوں میں بہت گہری دوستی ہو گئی تھی۔ اس نے مونا کو بتایا تھا' کہ وہ اپنی پھوپھو کے پاس رہتی ہے' اور اس کے بابا' آنٹی یعنی سوتیلی والدہ اور سوتیلے بہن بھائی باہر رہتے ہیں۔ "اور تمہاری مما۔۔۔ کیا ان کی ڈیتھ ہو گئی تھی۔" "ہاں شاید میرے بہت بچپن میں ایک بار پھوپھو نے بتایا تھا' کہ میں سال سوا سال کی تھی' جب وہ مجھے اپنے ساتھ گھر لائی تھیں۔" اس کی ماں کیسی تھی' کون تھی؟ اور اسے کیا ہوا تھا؟ اس نے کبھی پوچھا ہی نہیں تھا۔ نہ ہی پھوپھو نے اس کا ذکر کیا تھا' لیکن مونا نے پوچھا تھا۔ "کیا تمہاری مما بھی تمہاری ہی طرح خوبصورت تھیں۔" اور اس نے مونا سے کہا تھا کہ وہ پھوپھو سے پوچھ کر بتائے گی اور جب چھٹیوں میں وہ کراچی گئی' اور اس نے پھوپھو سے یہ بات پوچھی تو پھوپھو کچھ دیر کے لئے خاموش ہو گئی تھیں' پھر آہستگی سے کہا تھا۔ "نہیں' میری جان! وہ تمہاری جیسی خوبصورت نہ تھی' لیکن ایک عام نظر رکھنے والے بندے کی نظر میں شاید وہ خوبصورت ہی ہو' تم سے بھی زیادہ' مگر مجھے وہ ہمیشہ بہت بدصورت دکھی۔" وہ حیران سی انہیں دیکھ رہی تھی' اور ان کے بات کے معنی اخذ کرنے کی کوشش کر رہی تھی' اور پھر ناکام ہو کر انہیں دیکھنے لگی۔ "پھوپھو! مما کیا میری پیدائش پر فوت ہو گئی تھیں۔"

نہیں تو۔" پھوپھو نے چونک کر اسے دیکھا۔ "تم سے کس نے کہا کہ وہ فوت ہو گئی ہیں۔" "تو کیا آنٹی ہی میری مما نہیں۔" اس نے خوش ہو پوچھا۔ "نہیں۔۔۔" پھوپھو سنجیدہ تھیں۔ "ملکی! اب تم اتنی بڑی ہو چکی ہو کہ ہر بات سمجھ

سکتی ہو' کیلکولیٹ کر سکتی ہو۔ تمہاری مما نے تمہارے پپا سے طلاق لے لی تھی' اور تمہیں چھوڑ گئی تھی۔" وہ منہ کھولے حیرت سے انہیں دیکھنے لگی۔ "مگر کیوں۔۔۔؟" کچھ دیر بعد اس نے پوچھا۔ "دراصل تمہارے پپا اور مما کے مزاج اور ماحول میں زمین آسمان کا فرق تھا' سو نبھ نہ سکی۔" انہوں نے بات ختم کر دی۔ "اچھا' لیکن اب وہ کہاں ہیں؟" "معلوم نہیں' ایک بار عرفی کے ابا جان نے بتایا تھا کہ انہوں نے لاہور میں دیکھا تھا اسے' شاید وہ لوگ یہاں سے لاہور چلے گئے تھے' لیکن جب تک وہ یہاں رہے' تب بھی وہ کبھی تمہیں دیکھنے یا ملنے نہیں آئی۔ حالانکہ تمہارے پپا نے کہا تھا مجھ سے کہ اگر کبھی سلطانہ' ملائکہ سے ملنے آئے تو اسے ملنے دینا کہ یہ اس کا حق ہے۔

دو سال تک موناس کی نگراں بنی رہی' اور اب مونا سے الگ ہو کر وہ اپ سیٹ ہو گئی تھی' لیکن پھوپھو چاہتی تھیں کہ وہ ان کی نظروں کے سامنے ہی رہے۔ یہ دو سال بھی محض اس کی بہتری کی خاطر انہوں نے اسے دور بھیجا تھا' ورنہ ہر لمحہ اس کی فکر رہتی تھی۔ تم ملنا چاہتی ہو اس سے؟" کچھ توقف کے بعد پھوپھو نے پوچھا۔ "آپ کا کیا خیال ہے' مجھے ان سے ملنا چاہئے؟" "وہ تمہاری ماں ہے' تم ملنا چاہو تو میں تمہیں روکوں گی نہیں' لیکن اسے تمہارا خیال ہوتا تو کبھی تو وہ رابطہ کرتی' کبھی تو پوچھتی تمہارا۔ اتنے برس گزر گئے پتا نہیں کہاں ہے؟ کس جگہ ہے؟ اب کہاں ڈھونڈو گی اسے؟" "ہاں' آپ صحیح کہتی ہیں۔ انہیں ملنا ہوتا یا میرا خیال ہوتا تو کبھی تو ملنے آتیں۔" ملائکہ کو پھوپھو کی بات صحیح لگی تھی' اور وہ سچ ہی تو کہہ رہی تھیں کہ کہاں ڈھونڈے گی وہ انہیں' اور پھر پھوپھو نے ماں سے کم پیار تو نہیں دیا تھا اسے' بلکہ زیادہ ہی۔ "میری ماں تو آپ ہیں۔" اس نے ان کے گلے میں بانہیں ڈال دیں' اور ان کا چہرہ چمک اٹھا۔

کچھ دن تک تو وہ مونا کو مس کرتی رہی' لیکن ہولے ہولے وہ پھر پھوپھو کے زیر اثر ہو گئی۔ "پھوپھو یہ ڈریس پہن لوں' اس کے ساتھ یہ جوتی کیسی لے گی۔" وہ پھر سے ان سے مشورے کرنے لگی تھی۔ تاہم لاہور کی رہائش سے اتنا فرق ضرور پڑا تھا' کہ کچھ کام وہ خود کرنے لگی تھی۔ اس کی بات چیت میں اعتماد بڑھ گیا تھا' اور وہ پھوپھو کی عدم موجودگی میں بھی خود کو محفوظ ہی محسوس کرتی تھی' اور ان سے پوچھے بغیر بھی کام کر لیتی تھی۔ انہی دنوں عرفان کو محب اللہ خان نے کینیڈا بلوا لیا۔ وہ یہاں اپنی جانب سے مطمئن نہ تھا' اور چاہتا تھا کہ شادی سے پہلے ایک پر امید مستقبل

اس کے سامنے ہو۔ محب اللہ خان سے بات ہوئی' تو انہوں نے اسے وہاں بلوالیا۔ عرفان چلا گیا اور پھوپھو کی تمام تر توجہ کا مرکز صرف وہی رہ گئی۔ اس کی ہر ضرورت کا خیال رکھنا' اس کی پسند ناپسند کے مطابق کھانے پکوانا' اس کی شاپنگ کرنا سب انہوں نے اپنے ذمے لے لیا تھا۔ حالانکہ عرفان نے جاتے جاتے کہا تھا۔ "ملکی بیگم! اب کچھ میری اماں کی بھی خدمت کر لو۔ بہت خدمت کروالی ہے ان سے۔" "ہاں تو وہ میری بھی تو اماں ہیں نا۔" وہ ان کے گلے میں باہیں ڈال کر بیٹھ گئی تھی' اور پھوپھو نہال ہو گئیں۔ ان دنوں جب وہ ماسٹرز کرنے کے بعد بور ہو رہی تھی' "پھوپھو نے اسے مشورہ دیا کہ وہ "کوکنگ" کی کلاسز اٹینڈ کرلے' ڈرائیونگ سیکھ لے' میک اپ کا کورس کر لے۔

ہاں یہ صحیح ہے۔" اسے پھوپھو کا مشورہ پسند آیا تھا' اور اس نے فوراً ہی ایک انسٹیٹیوٹ میں ایڈمیشن لے لیا' جہاں یہ سارے کورس تھے۔ وہاں اس کی دوستی عفیرا سے ہو گئی تھی۔ عفیرا کی مما ایک بوتیک چلاتی تھیں۔ والد کی وفات ہو چکی تھی۔ کبھی کبھار وہ فیشن شو بھی منعقد کرواتی تھی۔ عفیرا نے اسے بتایا تھا' کہ آج کل وہ کسی گارمنٹ فیکٹری کی طرف سے فیشن شو کی تیاری کر رہی ہیں۔ عفیرا نے اسے اس فیشن شو میں حصہ لینے پر اکسایا۔ "یار! میں نے مما سے تمہاری اتنی تعریف کی ہے کہ وہ تو بن دیکھے ہی تم پر عاشق ہو گئی ہیں۔" "مگر میں نے پہلے تو کبھی کسی فیشن شو میں شرکت نہیں۔" "تو اب کر لو نا یار! میں بھی حصہ لے رہی ہوں۔ سچ بہت مزا آتا ہے۔ میں نے پہلے بھی حصہ لیا ہے۔" "اچھا' میں پھوپھو سے پوچھوں گی۔" "جلدی پوچھ کر آنا پلیز۔' وہ تھوڑی سی جھلکر تھی' اس لئے اسے یاد ہی نہیں رہا پھوپھو سے پوچھا اور اگلے روز انہیں اچانک فیصل آباد جانا پڑ گیا' جہاں ان کی چھوٹی نند رہتی تھیں۔ "عرفی کی پھوپھو کی طبیعت بہت خراب ہے ملائکہ! اور مجھے فیصل آباد جانا ہے۔ تم ذرا اپنے دو چار جوڑے رکھ لو بیگ میں' "یہاں تنہا کیسے رہو گی۔

وہ اٹھی' وارڈروپ کھولے کچھ دیر کھڑی رہی' اور پھر اس کی سمجھ میں نہیں آیا کہ کون سے کپڑے اور کیا کیا بیگ میں رکھے۔ "میرا جانا کیا ضروری ہے؟" وہ واپس بیڈ پر لیٹ کر میگزین دیکھنے لگی۔ پھوپھو آئیں تو انہیں حیرت ہوئی۔ "تم تیار نہیں ہوئیں بیٹا۔" "پھوپھو! اگر میں گھر پر ہی رہوں تو۔" "ہاں ہاں' بے شک رہ لو۔" وہ تو اس کے خیال سے ہی کہہ رہی تھیں کہ اکیلے میں گھبرائے گی۔ ایسی ہی تو تھی وہ۔ "رقیہ ہے نا' ملازم سب پرانے ہیں۔

میں رقیہ سے کہہ دیتی ہوں' وہ تمہارے کمرے میں ہی سوئے گی۔ دو دن کی تو بات ہے۔" "ٹھیک ہے پھوپھو! "آپ بے فکر ہو کر جائیں۔" اور پھوپھو کے جانے کے بعد عفیرا آدھمکی۔ "تم نے پوچھا؟" "نہیں۔

کوئی فیصلہ کیا تھا' وہ اسے بدل نہیں کرنا چاہتی تھیں۔ سو انہوں نے "ٹھیک ہے" کہہ کر بات ختم کر دی۔ "آپ چلیں گی نا میرے ساتھ' میں دو گیسٹ لے جا سکتی ہوں۔" "ہاں۔۔۔" وہ اس وقت بہت تھکی ہوئی تھیں۔ اس لئے مختصر بات کر کے اپنے کمرے میں چلی گئیں۔ اتنے دن کی تھکن رنگ لائی تھی' اور انہیں ٹمپریچر ہو گیا تھا۔ اس لئے وہ ملائکہ کے ساتھ اس کے شو میں شرکت کیلئے نہ جا سکی تھیں۔ ملائکہ تو بہت پرجوش ہو رہی تھی۔ اسے پھوپھو کے نہ جانے کا بہت افسوس تھا۔ شو بہت کامیاب رہا تھا' اور بقول عفیرا کے وہ تو پورے شو پر چھا گئی تھی۔ خوبصورتی' چہرے کی فطری معصومیت اور پھر ڈائیلاگ' ڈلیوری سب ہی کمال کی تھی۔ ڈائیلاگ تو ایک دو ہی تھے۔ چہرے کے ایکسپریشن کمال کے تھے۔ عفیرا کی مام ہر سال نئے انداز میں ہی فیشن شو منعقد کرواتی تھیں۔ اس بار پس پردہ میوزک کے ساتھ کہیں کہیں آدھا ڈائیلاگ بھی انہوں نے شامل کر لیا تھا۔ جس نے شو کو منفرد بنا دیا تھا۔ وہ عفیرا کے ساتھ مسرور سی کھڑی تھی۔ کچھ دیر پہلے اس کی مما اس کی بے انتہا تعریف کر کے گئی تھیں۔ میکسی نما ڈریس میں وہ اپسرا ہی لگ رہی تھی۔ یہ سب کچھ اس کے لیے بہت نیا اور خوش کن تھا۔ وہ سب کی توجہ کا مرکز تھی۔ آتے جاتے لوگ رک کر اسے دیکھتے' اور مسکراتے تھے' کئی نوجوان لڑکوں اور لڑکیوں نے اس کی طرف دیکھ کر ہاتھ ہلائے تھے' جواباً اس نے بھی ہاتھ ہلا دیا۔ "میرا خیال ہے اب میں جاؤں۔" اس نے عفیرا سے اجازت چاہی۔

پلیز تھوڑا رکو نا۔ مما کو آجانے دو۔ وہ دراصل فوراً ہی فنکاروں کو ان کی پے منٹ کر دیتی ہیں۔ یہ ان کا اصول ہے۔" "پھوپھو پریشان ہوں گی۔" "اچھا' تم رکو میں مما کو دیکھتی ہوں۔" عفیرا چلی گئی تو اچانک ہی وہ دونوں اس کے پاس آکھڑے ہوئے تھے۔ ایک مرد اور ایک عورت' عورت نے گہرا میک اپ اور بھڑکیلا لباس پہن رکھا تھا۔ گہرا جامنی رنگ' لیکن اس کی بے حد سفید رنگت پر یہ رنگ برا نہیں لگ رہا تھا۔ "ہم تمہیں بہت دیر سے ڈھونڈ رہے تھے' تم۔۔۔ تمہارا نام ملائکہ ہے' ملائکہ محب اللہ خان۔" اس شخص نے پوچھا۔ "یہ تمہارا اصلی نام ہے۔" "ہاں۔۔۔" اس نے حیرت سے دونوں کو دیکھا۔ عفیرا کے مما نے اس کا تعارف اسٹیج پر اسی نام سے کروایا تھا۔ "تمہارا باپ کیا کرتا

"ہے؟"

عورت بہت دلچسپی سے اسے دیکھ رہی تھی۔ وہ خوبصورت تھی' لیکن اس کا لہجہ گنوار تھا۔ "پپا تو باہر ہوتے ہیں کینیڈا۔" "اور تم۔۔۔" وہ بہت بے تابی سے سوال کر رہی تھی۔ "میں پھوپھو کے ساتھ رہتی ہوں۔" "تمہارے باپ نے تمہیں یہاں کیوں چھوڑ دیا' بہن کے پاس؟" "دیکھئے' آپ یہ سب مجھ سے کیوں پوچھ رہی ہیں؟" ملائکہ نے ناگواری سے اسے دیکھا۔ "میری والدہ نہیں ہیں۔۔۔ میری پھوپھو نے مجھے پالا ہے۔" "تیرے باپ نے شادی کر لی ہوگی دوسری' ہے نا۔" وہ ہنسی اور مرد کی طرف دیکھا۔ "یہ اپنی ملکی ہی ہے' صادق تو صحیح کہہ رہا تھا۔" "تمہاری والدہ کا نام کیا تھا؟" مرد کی نظریں اس پر تھیں۔

سلطانہ۔۔۔" بے اختیار ہی اس کے لبوں سے نکلا۔ پہلی بار پھوپھو کے لبوں سے یہ نام سنا تھا اور جانے ذہن کے کس کونے میں محفوظ رہ گیا تھا۔ "ہائے میری بچی! میں ہوں تیری بدنصیب ماں۔" عورت نے ایک دم بڑھ کر اسے گلے لگا لیا۔ "اور یہ تیرا ماموں ہے۔" عورت سے الگ ہو کر وہ حیران سی اسے دیکھنے لگی۔ یہ عورت اس کی ماں تھی' لیکن اس کے دل میں کوئی جذبہ نہیں ابھرا تھا۔ یہ عورت اسے چھوڑ گئی تھی' اس وقت جب وہ بالکل ننھی سی تھی۔ حالانکہ اس وقت اسے ماں کی گود اور محبت کی ضرورت تھی' لیکن وہ کیوں چھوڑ گئی تھی اسے' پھوپھو نے کوئی تفصیل نہیں بتائی تھی۔ "آپ مجھے چھوڑ کر چلی گئی تھیں اور اب اتنے سارے سالوں کے بعد۔۔۔" "وہ تو تیرے ماموں۔۔۔" "شانی۔۔۔" مرد نے اس کے کندھے پر ہاتھ رکھا۔ "میں بتاتا ہوں اسے ساری بات۔" "بیٹا! تمہاری ماں کو تمہاری پھوپھو نے بسنے نہیں دیا کیونکہ تمہارے باپ نے اپنی پسند سے شادی کی تھی' اور بالآخر اس نے تمہاری ماں کو گھر سے نکال دیا۔ طلاق دلوائی اور تمہیں چھین لیا۔" "نہیں۔" اس نے بے یقینی سے انہیں دیکھا۔

آپ نے پھر کبھی مجھ سے ملنے کی کوشش نہیں کی۔" "نہیں' ہم کئی بار آئے' لیکن چوکیدار نے ہمیں اندر نہیں گھسنے دیا۔ کیسا کیسا تڑپتی تھی یہ تمہارے لئے' راتوں کو جاگ کر روتی اور تجھے پکارتی تھی۔ ارے میں نے تو تیرے باپ کے قدموں پر گر کر اس سے کہا کہ بس تم سے ملنے کی اجازت دے دے' لیکن اس نے دھتکار دیا۔" "نہیں' بھلا بابا

اور پھوپھو اتنے ظالم ہو سکتے ہیں۔" پھوپھو تو اتنی نرم دل ہیں۔" وہ متذبذب سی کھڑی انہیں دیکھ رہی تھی' تب ہی عفیرا آگئی۔ اس کے ساتھ ایک نوجوان تھا۔ "یار! مما تو بہت مصروف ہیں' تم چلی جاؤ' تمہارا ڈرائیور انتظار کر رہا ہے۔ کل آؤں گی میں تمہاری طرف پھر انسٹیٹیوٹ میں دو دن بعد ملاقات ہو گی' اور ہاں ان سے ملو سلیمان واسطی صاحب ہیں' تم سے ملنا چاہ رہے تھے۔ ایک بہت بڑی ایڈورٹائزنگ کمپنی کے مالک ہیں۔" "مس! میں آپ سے یہ پوچھنا چاہ رہا تھا کہ آپ کو ماڈلنگ سے کوئی دلچسپی ہے۔" "جی نہیں۔" اس نے حیرت بھری معصومیت سے اس کی طرف دیکھا۔ "اوہ۔۔۔" وہ مسکرایا۔ "دراصل آپ کی پرفارمنس بہت زبردست تھی' اور آپ کی فیس بیوٹی کے تو کیا ہی کہنے۔ میں چاہ رہا تھا کہ آپ کو ماڈلنگ کی آفر کروں۔ ہماری کمپنی کے ایڈ بہت مقبول ہوتے ہیں۔ آپ نے دیکھا ہو گا ٹی وی پر فیری لان اشتہار۔ فیری لان کا اشتہار تو اسے بہت پسند تھا۔ مخمل سے ڈریس میں فضا میں تیرتی ہوئی سی وہ لڑکی۔

ہاں ہاں' بہت خوبصورت ہے۔" اس کی آنکھوں میں اشتیاق اتر آیا۔ "تو پھر آپ کل مجھ سے میرے آفس میں ملئے۔" اس نے وزیٹنگ کارڈ نکال کر اس کی طرف بڑھایا' تو اس نے جھجکتے ہوئے کارڈ پکڑ لیا۔ "تو میں امید رکھوں کہ میرے اگلے ایڈ کی ماڈل آپ ہوں گی۔" "نہیں۔۔۔ وہ۔۔۔ پتا نہیں' پھوپھو اجازت دیں گی' یا نہیں۔ وہ تو انہوں نے شاید میرا اس فلیش شو میں بھی شرکت کرنا پسند نہیں کیا۔" "ارے گولی مارو پھوپھو کو۔" سلطانہ نے کہا۔ "ایسا گولڈن چانس ہے' میں ہوں اس کی ماں۔" اس نے سینے پر ہاتھ رکھا۔ "اور میں اسے اجازت دے رہی ہوں۔" سلیمان واسطی کی آنکھوں میں حیرت اتر آئی۔ "آپ۔۔۔ آپ غالباً شائی ہیں' سٹیج اداکارہ؟" "فلموں میں بھی کام کیا ہے میں نے۔" "ہاں' شاید میرا اتنا علم نہیں ہے۔" "بہرحال مس ملائکہ! میں آپ کا انتظار کروں گا۔" وہ واپس مڑ گیا۔ عفیرا بھی اسے چھوڑ کر جا چکی تھی۔ ایک بار پھر وہ ان دونوں کے ساتھ تنہا کھڑی تھی۔

دیکھ چندا! یہ چانس مس نہ کرنا۔' عورت نے اسے گلے لگایا۔ "تیری پھوپھو نے آئیں بائیں شائیں کی تو کہہ دینا کہ تم اپنی مرضی کی مالک ہو' اور یہ ہوٹل ہے نا سٹیشن کے پاس علی بابا ہوٹل' وہاں ٹھہرے ہوئے ہیں ہم' دیکھ کل ملنے ضرور آنا۔ ہائے میں تو تیرے لئے جھلی ہو گئی تھی۔" وہ خاموشی سے پارکنگ کی طرف بڑھ گئی تھی۔ ذہن الجھا ہوا

تھا۔ یہ عورت اس کی ماں تھی' لیکن ماں نہیں لگتی تھی اور بابا کے ساتھ اس کا تو کوئی جوڑ تھا ہی نہیں' پھر بابا نے اس سے شادی کر لی تھی۔ پھوپھو صحیح تو کہتی ہیں کہ مزاج نہیں ملا۔ بابا تو بہت سوبر ہیں۔ وہ بہت تھکی ہوئی تھی' اس لئے پھوپھو سے زیادہ بات کئے بغیر سو گئی' لیکن صبح ناشتے پر اس نے ساری تفصیل اس کو پھوپھو کو بتادی۔ "سلطانہ ملی تھی تمہیں؟" "ہاں۔" اس کا اطمینان قابل دید تھا۔ وہ چھوٹے چھوٹے لقمے توڑ توڑ کر منہ میں ڈال رہی تھی۔ "وہ کہہ رہی تھیں کہ آپ نے انہیں طلاق دلوائی ہے' اور مجھے چھین لیا ان سے۔" "ایسا نہیں ہے بیٹا!" انہوں نے بمشکل ضبط کیا۔ "وہ جھوٹ بول رہی ہے۔ تمہارے بابا نے اسے اجازت دے دی تھی کہ وہ تمہیں لے جائے' اور طلاق بھی میں نے نہیں دلوائی تھی۔ میں بھلا کیوں بھائی کا گھر اجاڑتی۔" ان کا رنگ سرخ ہو رہا تھا' اور آنکھوں میں نمی تھی۔

خیر میں نے ان کی باتوں پر یقین نہیں کیا تھا' بلکہ مجھے تو حیرت ہوئی کہ بابا نے ان سے شادی کیوں کر لی تھی۔ بابا" کے اور ان کے سٹیٹس میں بہت فرق لگ رہا تھا مجھے۔" "ہاں' قسمت۔۔۔" انہوں نے ملائکہ کی پوری بات سن کر اطمینان بھری سانس لی۔ اس روز وہ بہت خوش تھی' اس لئے دن بھر چہکتی رہی۔ ٹی وی دیکھتی رہی۔ شام کو عفیر اشو کی مووی لے کر آئی تو پھوپھو کے ساتھ بیٹھ کر اسے دیکھا' اور بہت خوش ہوئی۔ "اچھی لگ رہی ہوں نا۔" اس نے پھوپھو سے تصدیق چاہی۔ "ہاں' بہت خوبصورت لگ رہی ہو۔" "ہاں سب نے ہی میری بہت تعریف کی اور وہ۔۔۔" اسے اچانک یاد آیا۔ "ایک شخص نے مجھے ماڈلنگ کی بھی آفر کی۔" "نہیں بیٹا!" ان کے لبوں سے بے اختیار نکلا۔ "ہماری فیملی کی لڑکیاں ماڈلنگ وغیرہ نہیں کرتیں۔ میں نے تمہیں شو میں شرکت کرنے پر کچھ نہیں کہا کہ چلو ایک بار شوق پورا کر لیا ہے' اب کہنے کا فائدہ بھی نہیں تھا' لیکن ماڈلنگ ہرگز نہیں' تم منع کر دو۔" فضا میں "تیرتی ہوئی وہ حسین ماڈل۔ دل میں گدگدی سی ہوئی۔ "کیا ہی اچھا ہو تا کہ میں بھی۔۔۔

اس میں کیا حرج ہے پھوپھو! وہ کہہ رہے تھے واسطی صاحب کہ اچھے خاندانوں کی لڑکیاں بھی اس فیلڈ میں آ رہی ہیں۔" "آتی ہوں گی' لیکن ہمارے خاندان کی نہیں۔ تمہارے بابا بہت ناراض ہوں گے' اور عرفی بھی پسند نہیں کرے گا۔" "اچھا۔" وہ مایوس ہو گئی۔ وہ پھوپھو کی خواہش جانتی تھی کہ پھوپھو اسے اپنی بہو بنانا چاہتی ہیں۔ گو عرفان نے اس حیثیت سے کبھی کوئی بات نہیں کی تھی۔ وہ زیادہ تر اپنی پڑھائی اور پھر جاب میں مصروف ہو گیا تھا۔

کھانے کی ٹیبل پر' ناشتے پر' ٹی وی لاؤنج میں گفتگو ہوتی رہتی تھی' لیکن عرفان نے کبھی کوئی چھچھوری بات نہیں کی تھی' اور نہ ہی کبھی کوئی ڈائیلاگ بولے تھے' لیکن پھر بھی وہ اس کے لئے اپنے دل میں ایک خاص جذبہ محسوس کرتی تھی۔ پھوپھو سے تو کئی بار بچپن میں وہ ضد بھی کر لیتی تھی' لیکن عرفان کی بات مان لیتی تھی۔ "عرفان بھی پسند نہیں کرے گا' پھوپھو ٹھیک کہتی ہیں۔" اس نے خود کو مطمئن کر لیا' اور ناول لے کر اپنے کمرے میں چلی گئی۔ اسے کہانیاں اور ناول پڑھنا بہت پسند تھا۔ پھوپھو خاصی ڈسٹرب تھیں۔ انہوں نے فوراً محب اللہ سے بات کی' تو انہوں نے پوری بات سنی۔ "اگر وہ یہاں گھر پر آ گئی ملنے تو؟" "تو ملنے دیجئے گا' وہ بہر حال اس کی ماں ہے۔" "اور اگر ملائکہ نے اس کے ساتھ جانے کی بات کی تو؟"

ملائکہ ایسی ناسمجھ نہیں ہے۔ آپ کو اپنی تربیت اور محبت پر یقین نہیں ہے کیا۔" انہوں نے انہیں تسلی دی۔ "لیکن ماں ہے وہ اس کی' جنم دیا ہے اس نے اسے۔ ماں کی محبت کی ہوک تو ہوتی ہے نا محب! اور پھر سلطانہ پر مجھے اعتبار نہیں ہے' وہ کہیں ملکی کو ورغلا نہ لے۔" "لیکن آپا! ہم اس کے حق کو چیلنج تو نہیں کر سکتے نا۔" لیکن ان کے تسلی دینے کے باوجود وہ سارا دن مضطرب سی رہیں' اور مسلسل دعا مانگتی رہیں کہ سلطانہ پھر دوبارہ ملائکہ سے ملنے کی کوشش نہ کرے' لیکن سلطانہ نے تو پتا نہیں شام تک کا وقت کیسے گزارا تھا۔ "سونے کی چڑیا ہے تیری بیٹی شانو! اب ہاتھ سے نہ نکلنے دینا۔ تو تو ہیروئن نہیں بن سکی' یہ بن جائے گی۔" صادق نے اسے سمجھایا تھا۔ "میرے ہاتھ میں کب ہے۔" "لے نا ہاتھ میں' بیٹی ہے تیری اور پھر بڑی بھولی بھالی سی ہے۔ دیکھا تھا کیسی شاندار گاڑی میں بیٹھ کر آئی تھی۔ میں نے کہا تھا نہ تجھ سے کہ تیری بیٹی بچ گئی تو یہاں رہ کر زیادہ فائدہ پہنچا سکتی ہے تجھے۔ تو نے دیکھا تھا' سنا تھا' میڈم نے اس کا تعارف کرواتے ہوئے بتایا تھا کہ کتنی پڑھی لکھی ہے۔ آج کل انڈسٹری میں بھی پڑھی لکھی ہیروئنوں کی مانگ ہے۔" "ہاں۔۔۔" سلطانہ کو صادق کی بات سمجھ میں آ گئی تھی۔ خود سلطانہ ان دنوں خاصی تنگی میں گزارا کر رہی تھی۔ محب اللہ سے طلاق لے کر کچھ دن تو خوب عیش کئے۔ نذیر سے شادی کر لی۔ سٹیج پر گانے بھی گائے جو کامیاب بھی ہوئے۔ عام طبقے نے پسند کئے' لیکن ان ہی دنوں تھائی رائیڈ کا آپریشن کروانا پڑا۔ تھائی رائڈ کی تکلیف کافی عرصے سے تھی۔ اب آپریشن ناگزیر تھا' اور آپریشن نے اس کی آواز کو بہت متاثر کیا تھا۔ بڑی بھدی آواز ہو گئی تھی۔ گو ڈاکٹر نے کہا تھا' کہ کچھ عرصہ بعد آواز ٹھیک ہو جائے گی' لیکن ایسا نہ ہو سکا تھا۔

عین اس وقت جب اس کی اور نذیر کی جوڑی سٹیج پر دو گانوں میں مقبول ہو رہی تھی' یہ مسئلہ ہو گیا تھا۔ تب نذیر اور صادق کے مشورے پر اس نے فلموں میں ہیروئن بننے کے خواب دیکھنے شروع کر دیے۔ دو تین فلموں میں ایکسٹرا کا کردار بھی ملا' لیکن وہ ہیروئن نہ بن سکی تھی' اور محض سٹیج کی تیسرے درجے کی اداکارہ بن کر رہ گئی تھی۔ نذیر بھی اِدھر اُدھر منہ مارتا رہتا تھا' جس مقصد کے لئے اس نے سلطانہ سے شادی کی تھی' وہ مقصد پورا نہیں ہوا تھا' تو سلطانہ کا عشق بھی ہوا ہو گیا تھا' اور سلطانہ صادق کے ساتھ مختلف سٹوڈیوز کے دھکے کھاتی رہتی تھی۔ جتنے روز سٹیج پر کوئی ڈرامہ چلتا رہتا تھا' نذیر کا موڈ بھی صحیح رہتا تھا۔ ان کے درمیان جھگڑے کی بڑی وجہ صادق تھا۔ نذیر کہتا تھا کہ تم جو کماتی ہو' وہ صادق کو کھلا دیتی ہو' جبکہ تمہاری کمائی پر پہلا حق میرا ہے۔" "اور تم بھی تو اپنی کمائی باہر اڑا آتے ہو۔" سلطانہ بھی دوبدو جواب دیتی۔ "تمہاری وجہ سے میری زندگی خراب ہوئی ہے۔ اچھی بھلی محل میں رہتی تھی' گاڑیوں میں گھومتی تھی' ہزاروں خرچ کرتی تھی۔" "میری وجہ سے نہیں' صادق کے لالچ کی وجہ سے۔" وہ بھی سب کچھ کھول کر رکھ دیتا تھا۔ زندگی بس یوں ہی گزر رہی تھی۔ کلفٹن والا فلیٹ فروخت کر کے صادق نے چند دن میں رقم برابر کر دی تھی۔ نذیر سے شادی تو بعد میں ہوئی تھی۔ وہ سلطانہ کو لے کر لاہور آ گیا تھا' کہ یہاں اکیلی رہ کر کیا کرے گی' پھر سارے سٹوڈیو تو لاہور میں ہیں۔ یہاں رہ کر ہیروئن نہیں بن سکے گی۔ تین چار دن قبل وہ اپنے تھیٹر کے ساتھ کراچی آئی تھی' جس میں نائکہ کا کردار ملا تھا۔ اس گھٹیا سے تیسرے درجے کے ہوٹل میں وہ ٹھہری ہوئی تھی۔ صادق بھی اسی تھیٹر میں کوئی

معمولی کام کر رہا تھا' جبکہ نذیر لاہور میں ہی تھا۔ دو چار روز میں وہ کسی میلے میں جانے والا تھا۔ "دیکھ سب کچھ صادق کے حوالے نہ کر دینا۔" جاتے جاتے اس نے تاکید کی تھی۔ اور یہاں قسمت کی دیوی کیسے مہربان ہو گئی تھی اس پر' جس ملائکہ کے متعلق اس کا خیال تھا کہ وہ مر کھپ چکی ہو گی' وہ کتنی خوبصورت ہو گئی تھی۔ "کیسی شہزادی کی طرح لگ رہی تھی' ہے نا صادق۔" "ہاں ہاں۔" وہ سوچ میں ڈوبا ہوا تھا کہ کیسے اسے قابو میں کرے۔ "جانتی ہے' یہ ماڈل لڑکیاں ایک ایڈ کے کتنے پیسے لیتی ہیں' لاکھوں روپے' ایک عام سی ماڈل بھی پچاس ہزار سے کم تو کیا لیتی ہو گی۔" "ہائے میں مر گئی۔" اس نے سینے پر ہاتھ رکھ لیا۔ "بس کر لے کسی طرح ہاتھ میں اپنی چڑیا کو۔ تیری بیٹی ہے' وہ

کون ہوتی ہے اس پر قبضہ کر کے بیٹھنے والی' اور پھر۔۔۔" وہ دل ہی دل میں مسکرایا۔ "اکلوتی بیٹی ہے' ساری جائیداد کی مالک۔۔۔ عیش ہو جائیں گے شانی۔" "ارے کیا پتا' اب تک کتنی اولادیں اور پیدا کر چکا ہو گا۔ زیادہ لمبے "خواب نہ دیکھ تو۔" "پھر بھی کچھ تو اس کو ملے گا نا۔

وہ دونوں سیدھے ہوٹل سے سلیمان واسطی کے پاس گئے تھے' لیکن ملائکہ وہاں نہیں آئی تھی۔ "اب۔۔۔" دونوں نے اس کی طرف دیکھا۔ "چل اس کی پھوپھو کے گھر چلتے ہیں' اس سے ملنے۔" "وہ ملنے دے گی۔" "روک کے تو دیکھے' بیٹی ہے تیری۔" صادق نے حوصلہ دیا۔ "لیکن وہ جو اشام پر لکھ کر دیا تھا۔" سلطانہ ڈر رہی تھی۔ "تو چل۔" اور جب وہ دونوں "قصر عرفان" میں پہنچے تو ان کے خدشے بے بنیاد ہی نکلے۔ "میں اپنی بیٹی سے ملنے آئی ہوں۔" کسی قدر گھبرائے لہجے میں سلطانہ نے آیا سے کہا' تو وہ خاموشی سے ڈرائنگ روم سے نکل گئیں۔ ملائکہ سو رہی تھی' "انہوں نے اسے جگایا۔ "تمہاری امی آئی ہیں ملنے۔

کیوں۔۔۔؟" اس نے مندی مندی آنکھوں سے انہیں دیکھا۔ "پتا نہیں۔۔۔" پھوپھو بے حد سنجیدہ تھیں۔ "تو مل لوں؟" "ہاں۔۔۔" انہوں نے اثبات میں سر ہلا دیا۔ "بابا اور عرفان ناراض تو نہیں ہوں گے؟" آنکھوں میں بچپنا اور معصومیت لئے انہیں دیکھ رہی تھی۔ "تمہارے بابا تو شاید کچھ نہ کہیں' ہاں عرفان کا نہیں پتا مجھے' کیا کہے گا۔" "تو نہ ملوں؟" وہ سوالیہ نظروں سے انہیں دیکھنے لگی۔ "اب آئی ہے تو مل لو۔ ماں ہے تمہاری۔" بادل نخواستہ انہیں کہنا پڑا۔ اسے ڈرائنگ روم میں بھیج کر وہ اپنے کمرے میں چلی گئیں۔ وہ اس عورت کا سایہ تک اس پر پڑنے نہیں دینا چاہتی تھیں' لیکن بہر حال وہ اس کے ماں ہونے کے حق کو چیلنج نہیں کر سکتی تھیں۔ سلطانہ بڑی بے تابی سے اس سے ملی۔ "میں رات بھر سو نہیں سکی۔" دونوں ہاتھوں میں اس کا چہرہ لئے وہ والہانہ انداز میں اسے دیکھ رہی تھی۔ صادق نے تعریفی انداز میں اس کی طرف دیکھا۔ اس وقت وہ غضب کی

اداکاری کر رہی تھی۔ کبھی اس کے ہاتھ چومتی' کبھی پیشانی' کبھی آنکھوں میں آنسو بھر لاتی۔ "ایسی اداکاری کسی فلم میں کرتی' تو آج ہیروئن ہوتی۔" صادق نے دل ہی دل میں سوچا۔ ملائکہ متاثر لگ رہی تھی۔ "اچھا پلیز اب مت

روئیں۔ آپ کی غلطی تھی نہ چھوڑ کر جاتیں مجھے۔" "بتایا تو تھا تجھے تیری اس پھاپھا کٹنی پھوپھی نے چھین لیا تجھے۔ پھر میں نے بھی سینے پر پتھر رکھ لیا کہ تیرے ماموں کے گھر میں تو بس دو وقت کی سوکھی روٹی ہی تھی۔ یہاں تو عیش سے پلتی' تیرا حق تھا نا یہاں کی ہر چیز پر۔" وہ کوئی گھنٹہ بھر بیٹھی تھی۔ رات کو اسے تھیٹر میں جانا تھا۔ "دیکھ جتنے دن میں یہاں ہوں مجھے ملنے آیا کرنا۔ میں اپنی پیاس بجھالوں گی۔ ہائے برسوں کی تشنگی ہے ملائکہ۔" "اچھا۔۔۔" اس نے سر ہلا دیا۔ "ضرور آنا" میں روز تو ادھر نہیں آؤں گی۔ کیا پتا کسی روز تیری پھوپھی چوٹی سے پکڑ کر باہر نکال دیں' "اور ہاں۔۔۔" جاتے جاتے صادق نے کہا۔ "پھوپھو نے اجازت نہیں دی ماڈلنگ کی۔

ارے کیسے اجازت نہیں دے گی۔" سلطانہ چمک کر بولی۔ "تو بالغ ہے' اپنی مرضی کی مالک ہے۔ ایسا گولڈن چانس پھر نہیں ملے گا تجھے ملکی۔ میری بات مان لے' واسطی صاحب سے مل لے۔ ابھی تو فوٹو سیشن ہوگا' پھر کیا پتا تو سلیکٹ بھی ہوگی یا نہیں۔" "میرے ساتھ آنا کل میں خود لے چلوں گی۔" وہ کچھ بولی نہیں۔ ناخن دانتوں سے کترتے ہوئے وہ چپ چاپ انہیں دیکھتی رہی۔ "آپ کیسے آئے؟ گاڑی ہے آپ کے پاس۔" "ارے میرے پاس گاڑی کہاں سے آئی۔" سلطانہ کے لہجے کی تلخی اس سے چھپی نہ رہ سکی۔ "میں ڈرائیور سے کہتی ہوں وہ چھوڑ آتا ہے آپ کو۔" "رہنے دے تیری پھوپھی کو برا لگے گا۔" "نہیں لگے گا اماں! آپ بے فکر رہیں۔" اور اس روز وہ دیر تلک سلطانہ کے متعلق سوچتی رہی۔ یہ عورت اس کی ماں تھی' اگر بابا میں اور اس میں علیحدگی نہ ہوئی تو آج یہ عورت بھی ان کے ساتھ رہتی ہوتی کینیڈا میں یا یہاں

بابا کے اس بڑے سارے گھر میں۔ اسے سلطانہ پر بہت ترس آیا۔ جو اولاد کے ساتھ ساتھ ہر آسائش سے محروم تھی۔ اس کے جسم پر موجود لباس پر گو موتی اور ستارے جڑے تھے' لیکن وہ انتہائی کم قیمت تھا۔ ایسا لباس تو رقیہ بی کو بھی پسند نہ آتا۔ پھوپھی نے اماں کے متعلق اس سے کوئی بات نہ کی تھی۔ اگلے روز انسٹیٹیوٹ میں اس نے عفیرا سے پوچھا۔ "عفی! اگر تمہارے پاس بہت پیسہ ہو' اور تم آسائش کی زندگی گزار رہی ہو' جب کہ تمہاری ماں تم سے الگ کہیں اور تنگ دستی کی زندگی گزار رہی ہو تو۔۔۔" "میں اس کی ہر ممکن مدد کروں گی۔" عفیرا نے بلا جھجک کہا۔ "تم نہیں جانتیں کیا ماں کے کتنے حقوق ہوتے ہیں۔ ہم تو ساری زندگی اس کی خدمات کرتے رہیں تو اس کا حق ادا

نہیں کر سکتے۔" "دراصل۔۔۔" اس نے عفیرا کو ساری بات بتادی۔ "تو تمہیں اپنی امی کی مدد کرنا چاہئے ملائکہ! بلکہ ہاں۔۔۔" اسے یاد آیا۔ "یہ ممانے دیا تھا' چیک ہے بیس ہزار کا۔" اس نے پرس سے لفافہ نکالا۔ "یہ کس بات کا۔۔۔؟" "بھئی' اس فیشن شو میں شرکت کا معاوضہ۔

وہ اس کے ساتھ سیڑھیاں چڑھ کر اس کمرے تک آئی جہاں سلطانہ ابھی تک سو رہی تھی۔ رات بارہ بجے شو کے بعد جو تھک کر لیٹی تھی' تو ابھی تک خواب خرگوش کے مزے لے رہی تھی۔ "شانی اٹھ کر دیکھ کون آیا ہے؟" صادق نے کندھوں سے پکڑ کر اسے جھنجھوڑ ڈالا۔ اور پھر ایک ملاقات کئی ملاقاتوں کا پیش خیمہ بن گئی تھی۔ وہ تقریباً روز ہی ان سے ملنے چلی آتی۔ اس بیس ہزار کے علاوہ بھی اس نے بہت بڑی رقم ماں کو دی تھی' اور اس کے بے حد اصرار پر وہ اس کے ساتھ سلیمان واسطی سے بھی نہ صرف ملی تھی' بلکہ فوٹو سیشن کے بعد ماڈلنگ کرنے کی ہامی بھی بھر لی تھی۔ ڈرائیور نے اس کے ہر روز ہوٹل جانے کے متعلق پھوپھو کو بتادیا' تو اس نے صاف کہہ دیا کہ وہ اپنی اماں سے ملنے جاتی ہے۔ "وہ یہاں پر بھی تو تم سے مل سکتی ہے ملائکہ!" پھپھو ششدر رہ گئی تھیں۔ "ہاں' لیکن وہ روز روز یہاں نہیں آسکتیں۔" اس نے بے نیازی سے کہا' تو وہ حیران سی اسے دیکھتی رہ گئیں۔ یہ چند ہی دنوں میں اس میں کیسی تبدیلی آئی تھی۔ صادق اور سلطانہ نے اس کی ٹھیک ٹھاک برین واشنگ کر دی تھی۔ ان کے تھیٹر کے لوگ واپس لاہور چلے گئے تھے' لیکن وہ وہیں ہی رک گئے تھے۔ ادھر نذیر کے فون پر فون آ رہے تھے۔ "کیا کوئی خزانہ مل گیا ہے۔ "واپس آجا اب۔ مجھے میلے میں جانا ہے' تو بھی ساتھ چلنا۔

تو چلا جا' میں نہیں جانے کی۔" صادق کی بھی نوکری کا مسئلہ تھا' بالآخر وہ جانے کیلئے تیار ہو گئے۔ "میں بھی چلوں آپ کے ساتھ؟" ملائکہ نے پوچھا۔ ان دنوں وہ پھوپھی سے بہت کبیدہ خاطر ہو رہی تھی۔ "ارے نہیں چندا!" صادق نے فوراً کہا۔ "تو بس یہیں رہ ہم اتنے ظالم نہیں ہیں۔ تری پھوپھی نے ماں بن کر پالا ہے تجھے۔ شانی کا کیا ہے پہلے بھی تو تیرے بغیر ہی رہتی تھی' بس تو ہم سے رابطہ رکھنا۔" "اچھا۔۔۔" ملائکہ کو اس کے وہ بہت عظیم لگے۔ "تو نے صادق ایسا کیوں کیا؟" اس کے جانے کے بعد اس نے پوچھا۔ "اس کے یہاں رہنے میں فائدہ ہے غلے! ابھی کیا ہے وہ ذرا اس کا اشتہار آنے دے۔ واسطی صاحب کو بڑا یقین ہے کہ وہ راتوں رات مشہور ہو جائے گی۔" "پھر کیا ہم اسے

لے چلیں گے؟" سلطانہ نے اشتیاق سے پوچھا۔ "کہاں رکھے گی اس اس دو کمرے کی کھولی میں۔ یہیں رہنے دے اسے۔" صادق کے ذہن میں جانے کیا تھا' وہ ہمیشہ دور کی کوڑی لاتا تھا۔ سلطانہ اس کی معترف تھی۔ لہٰذا چپ ہو گئی۔

ملائکہ اس کے جانے سے اداس تھی۔ اسے پھوپھو ایک دم بری لگنے لگی تھیں۔ اسے اماں کی بتائی ہوئی ہر ہر بات پر یقین تھا کہ غربت کی وجہ سے اس کی ماں پر بہت ظلم ہوا' اور اس ظلم میں پھوپھو کا ہاتھ تھا' ورنہ بابا تو ایسے نہ تھے۔ اس کے کورس مکمل ہو چکے تھے۔ ڈرائیونگ لائسنس بھی مل گیا تھا۔ اس نے بابا کو بتایا تو انہوں نے پھوپھو سے کہا' کہ وہ اسے گاڑی لے دیں۔ سلطانہ لاہور جا چکی تھی۔ ملائکہ زیادہ تر گھر پر ہی رہنے لگی تھی۔ اشتہار کی شوٹنگ سلطانہ کی موجودگی میں ہی ہو چکی تھی۔ چنانچہ پھوپھو مطمئن ہو گئی تھیں' اور چاہتی تھیں کہ جلد از جلد اس کی شادی کر کے اسے عرفان کے ساتھ کینیڈا بھیج دیں۔ انہیں سلطانہ کے ساتھ اس کا میل جول ہرگز پسند نہ آیا تھا' اور اس سلسلے میں انہوں نے کئی بار عرفان سے بات بھی کی تھی۔ "بس امی جان! صرف چند ماہ کی بات ہے۔ آپ بس شادی کی تیاری کریں۔" انہوں نے شوروم سے اس کی پسند کی گاڑی نکلوائی تھی' اور ملائکہ ان دنوں گاڑی پا کر بہت خوش تھی۔ اکثر ان سے پوچھ کر چلی جاتی۔ کبھی کبھار سلیمان واسطی کی طرف چلی جاتی۔ وہاں اسے بہت اچھا لگتا تھا' ہر شخص اس کی تعریف کرتا تھا۔ اس کی طرف متوجہ ہو جاتا تھا۔ پھر اس کا اشتہار آن ایئر ہو گیا۔ یہ وہ تھی۔ کتنی ہی دیر تک وہ حیران سی خود کو دیکھتی رہی۔ عجیب سی خوشی اور سنسنی اس کے وجود میں دوڑتی رہی۔ سلیمان واسطی نے سچ کہا تھا' اس نے ایک ہی رات میں شہرت حاصل کر لی تھی۔

کئی لوگوں نے اس کے ساتھ کانٹیکٹ کرنے کی کوشش کی' وہ اپنی اشتہاری فلم کے لئے اسے لینا چاہتے تھے' لیکن سلیمان واسطی نے اس سے کہہ دیا تھا' کہ وہ صرف اس کی کمپنی کے لئے کام کرے گی۔ وہ اس روز سیدھا اس کے گھر چلا آیا۔ نیا کنٹریکٹ سائن کروانے اور پچھلے اشتہار کی رقم کا چیک دینے۔ وہ چیک ہاتھ میں لئے حیران سی بیٹھی تھی۔ جب پھوپھو ڈرائنگ روم میں داخل ہوئیں' نوکرانی نے بتایا تھا کہ بی بی سے ملنے کوئی صاحب آئے ہیں' اور انہوں نے سوچا کہیں کم بخت صادق نہ ہو۔ اس لئے جلدی جلدی نماز ختم کر کے چلی آئیں۔ "یہ میری پھوپھو ہیں۔" ملائکہ

نے متعارف کروایا۔ ''تشریف رکھئے' کیسے آنا ہوا۔'' انہوں نے ہاتھ کے اشارے سے اسے بیٹھنے کے لئے کہا۔ ''بیگم صاحبہ! ملائکہ نے میرے ایک اشتہار میں کام کیا ہے۔ میں ایک ایڈورٹائزنگ ایجنسی کا مالک ہوں' اور میں انہیں اپنی ایک اور اشتہاری فلم کے لئے بک کرنا چاہتا ہوں۔'' وہ ہکا بکا سی اسے دیکھ رہی تھیں۔ ''کیا مطلب۔۔۔ ملائکہ! یہ صاحب کیا کہہ رہے ہیں؟'' ''ملائکہ نے نظریں جھکا لیں۔

دیکھئے صاحب!'' انہوں نے بمشکل اپنے غصے پر قابو پا کر دھیمے لہجے میں کہا۔ ''ہم خاندانی لوگ ہیں اور ہمارے ہاں لڑکیاں ایسے شعبوں میں نہیں جاتیں' اور نہ ہی اسے پسند کیا جاتا ہے۔ اگر اس نے نادانی میں بغیر اجازت ایسا کام کیا ہے' تو آئندہ کے لئے میں معذرت خواہ ہوں۔'' سلیمان واسطی تو خود حیران تھا' وہ عورت جو خود کو ملائکہ کی ماں کہتی تھی۔ ایک اس کا لب و لہجہ اور انداز گفتگو اور کہاں یہ خاتون۔ ''لیکن آج کل تو بہت اچھے گھرانوں کی بچیاں۔۔۔'' اس نے کہنا چاہا تو پھوپھو نے ہاتھ اٹھا کر اسے روک دیا۔ ''پلیز آپ جا سکتے ہیں۔'' ''مگر پھوپھو۔'' ''تم چپ رہو ملائکہ۔'' انہوں نے زندگی میں پہلی بار اسے گھر کا۔ ''تم اتنی خود مختار کیسے ہو گئیں کہ تم نے اتنا بڑا قدم اٹھا لیا۔ جانتی ہو کیا عزت ہوتی ہے معاشرے میں ان ماڈل لڑکیوں کی۔ تمہارے بابا سنیں گے تو کیا کہیں گے' اور آج کے بعد تم اکیلی باہر نہیں جاؤ گی۔ جاؤ اپنے کمرے میں۔'' وہ خاموشی سے اٹھ آئی' لیکن اس کے اندر ضد سر اٹھا رہی تھی۔ ایک اتنی بڑی رقم کا چیک تھا اس کے ہاتھ میں' پھر گلیمر کی اپنی کشش تھی۔ شاید یہ ضد دم توڑ دیتی' اگر سلطانہ اور صادق کے فون نہ آتے۔ انہوں نے نہ صرف یہ کہ اسے بہت بہت مبارکباد دی تھی' بلکہ اسے اکسایا تھا کہ وہ مزید کام کرے' اور ایک دن یقیناً صف اول کی ماڈلز میں اس کا شمار ہو

گا۔ ''مگر پھوپھو بہت ناراض ہیں اماں۔'' ''لعنت بھیجو اس پر۔ تم کوئی اس کی غلام ہو۔ فوراً جا کر کنٹریکٹ سائن کر لو' بلکہ ابھی فون کر دو واسطی کو کہیں کسی اور کو نہ لے لے' لیکن دیکھو پیسوں کا معاملہ پہلے طے کرنا ہو گا۔ اس نے پہلے بھی ٹرخا دیا ہے تمہیں۔ صادق آجائے گا بس تو فون کر دینا' جان! واسطی کے ساتھ معاملات وہ خود طے کرے گا۔'' مگر کئی دن تک اس کی ہمت نہ پڑی۔ پھوپھو نے اس سے بات چیت تقریباً بند کر رکھی تھی۔ اس روز لاؤنج میں وہ فون سن رہی تھی' اور ٹی وی پر اس کا اشتہار چل رہا تھا۔ غصے سے فون پٹخ کر انہوں نے ٹی وی کا سوئچ آف کیا اور باہر چلی

گئیں۔ کتنا دل چاہتا تھا اس کا کہ وہ اس کا اشتہار دیکھیں' اس کی پرفارمنس کی تعریف کریں' لیکن ان کا غصہ تو کم ہونے میں نہیں آرہا تھا' خود اس کو اپنا اشتہار اتنا اچھا لگتا تھا کہ اس کا جی چاہتا تھا' کہ ٹی وی پر ہی چلتا رہے' اور وہ دیکھتی رہے۔ صادق اور سلطانہ ہر روز اسے فون کرتے' لیکن اس وقت جب پھوپھو سونے کے لئے اپنے کمرے میں جا چکی ہوتیں۔ وہ عموماً عشاء کی نماز اپنے کمرے میں ہی پڑھتی تھیں' اور یہ بات اس نے ہی سلطانہ کو بتائی تھی۔ "ایسا کر سکتی ہیں اور صادق آجاتے ہیں' تو آجا ہمارے پاس پھر دیکھ لیں گے۔ بڑی آئی پھوپھی کیسے اجازت نہیں دیتی وہ تجھے۔ ارے یہ تیری زندگی ہے اس پر تیرا اپنا حق ہے' نہ کہ اس کا۔ وہ نہیں چاہتی کہ تو پیسوں میں کھیلے' شہرت حاصل کرے۔" وہ اس کے کانوں میں زہر انڈیلتی رہتی' اور اس کی سمجھ میں نہ آتا تھا کہ وہ کیا کرے۔ پھر پورے چھ دن بعد پھوپھو نے ایک صبح ناشتے کی میز پر اس سے کہا۔

آج تیار ہو جانا جیولری کی طرف جانا ہے' اور کچھ شاپنگ کرنا ہے' تمہارے ویڈنگ ڈریس بھی لینا ہے تم دیکھ لینا۔ کون سا کلر لینا چاہتی ہو' عرفان اور تمہارے بابا آرہے ہیں اگلے ہفتے' اور تمہاری شادی ہے۔" وہ حیرت سے منہ کھولے پھوپھو کو دیکھتی رہ گئی۔ اس کی شادی ہو رہی تھی' اسے خبر بھی نہیں۔ بالا ہی بالا پھوپھو نے یہ کیا سازش کر لی تھی۔
عرفان کو تو تین چار ماہ تک آنا تھا' پھر۔۔۔ ایک لمحہ کو اس کا دل عجب طرح سے دھڑکا۔۔۔ عرفان۔۔۔ عرفان نے کبھی اس سے کوئی ایسی بات نہ کی تھی' جس میں استحقاق ہو' لیکن جاتے سمے وہ اس کا دیکھنا وہ کئی دن تک ڈسٹرب رہی تھی۔ عرفان بہت نرم مزاج کا تھا۔ "اور وہ یقیناً مجھے اجازت دے دے گا۔ اس نے خوش دلی سے سوچا۔ "اتنا پیسہ ملے گا' اتنی شہرت' اتنا گلیمر۔" اس نے آنکھیں موند کر خود کو شہرت کی بلندیوں پر دیکھا' اور پھر خاموشی سے اٹھ کر تیار ہونے چل دی۔ اس نے بہت شوق سے اپنے لئے ویڈنگ ڈریس پسند کیا تھا۔ جیولری میچنگ کی خریدی گئی تھی۔
پھوپھو بار بار کھوجتی نظروں سے اسے دیکھتی تھیں' اور پھر جیسے ان کے چہرے پر اطمینان سا پھیل جاتا' مگر اس رات جب اس نے سلطانہ کو بتایا کہ اس کی شادی ہو رہی ہے تو وہ حیران رہ گئی۔ "یہ اچانک کس کو تاڑ لیا تیری پھوپھی نے۔" "عرفان سے' بابا بھی آرہے ہیں۔ عرفان پھوپھو کا بیٹا ہے نا۔ آپ آنا ضرور میری شادی میں' میں پھوپھو اور بابا سے اجازت لے لوں گی' وہ منع نہیں کریں گے۔"

لو تیری چڑیا تو گئی مٹھی سے پھر۔" صادق نے قہقہہ لگایا۔ وہ اس وقت سلطانہ کے گھر میں ہی تھا۔ "ہماری تو قسمت ہی کھوئی ہے شانی۔" "تو کچھ کر صادقے!" سلطانہ بھی پریشان ہو گئی۔ "اچھا چل صبح کراچی چلتے ہیں۔" "اور وہ نذیر۔۔۔؟" "کہہ دینا اس سے ایک پرائیویٹ پروگرام ہے اس میں جانا ہے۔" صادق کے پاس ہمیشہ ہی جواب تیار رہتے تھے' اور پھر صبح ہی وہ کراچی پہنچ گئے تھے۔ یہ ان کی قسمت اچھی تھی کہ جب وہ اس سے ملنے "قصر عرفان" گئے تو وہ گھر پر اکیلی تھی۔ پھوپھو' رقیہ اور ڈرائیور کے ساتھ شاپنگ کے لئے نکلی ہوئی تھیں۔ "اسے میں کہتی ہوں آنکھوں میں آنکھیں ڈال کر بات کر پھوپھی سے' زرخرید نہیں ہے اس کی' کہہ دے کہ تجھے اپنی مرضی سے اپنی زندگی جینا ہے۔ غلامی نہیں کرنا اس کے بیٹے کی۔ تیرے لئے لاکھ رشتے ہیں۔

وہ کوئی دو گھنٹے بیٹھی اس کو سمجھاتی رہی۔ ملائکہ خاموش بیٹھی اس کی باتیں سنتی رہی۔ کبھی کبھی صادق بھی بول اٹھتا تھا۔ ان کے جانے کے کچھ ہی دیر بعد پھوپھو آ گئیں۔ چوکیدار سے سلطانہ کی آمد کا سن کر وہ بوکھلائی ہوئی سی لاؤنج میں آئیں۔ "کون آیا تھا ملائکہ؟" "اماں اور ماما آئے تھے۔" وہ بے حد پرسکون سی بیٹھی ناخنوں کو تراش رہی تھی۔ "کیوں آئے تھے؟" ان کا اضطراب چھپائے نہ چھپتا تھا۔ "ملنے آئے تھے مجھ سے۔" "پھوپھو! ماڈلنگ کرنا اور ٹاپ کی ماڈل بننا میری شدید خواہش ہے۔ مجھے ماڈل بننا ہے' اور میں نے آج سلیمان واسٹی کو فون پر بتا دیا ہے کہ میں ان کا کنٹریکٹ سائن کر رہی ہوں۔ آپ عرفان کو بھی بتا دیں' بعد میں اسے کوئی مسئلہ نہ ہو۔" پھوپھو حیران سی اسے دیکھ رہی تھیں۔ "ملائکہ! تو ہوش میں ہے نا۔ یہ پٹی تجھے کس نے پڑھائی ہے۔ میں جانتی ہوں۔ وہ تیری دشمن ہے' دوست نہیں ہے۔" "وہ میری ماں ہے پھوپھو اور ماں کبھی بیٹی کی دشمن نہیں ہو سکتی۔

تو اب پوچھ لو۔" "مگر وہ تو فیصل آباد چلی گئی ہیں۔ دو دن تک آئیں گی۔" "مگر ماما نے تو آج فائنل کرنا ہے۔ میں تو تمہیں لینے آئی تھی' اور یوں بھی تمہاری پھوپھو تو ہر بات مانتی ہیں تمہاری منع نہیں کریں گی۔" اور وہ عفیرا کے ساتھ اس کی ماما کے پاس چلی آئی۔ انہوں نے اسے پسند کیا۔ پھوپھو کو فیصل آباد میں زیادہ دن لگ گئے' کیونکہ ان کی نند کا انتقال ہو گیا تھا۔ وہ عفیرا کے ساتھ انسٹیٹیوٹ سے اس کی ماما کے بوتیک میں چلی جاتی تھی۔ اسے مزا آ رہا تھا اس ریہرسل میں۔ پھوپھو سے فون پر بات ہو جاتی تھی۔ وہ تقریباً روز ہی اس سے فون کر کے خیریت پوچھتی تھیں' اور اسے پریشان نہ پا کر بہت اطمینان محسوس کرتی تھیں۔ انہوں نے عرفان کو بھی بتایا تھا کہ وہ ملائکہ کو کراچی ہی چھوڑ

آئی ہیں۔" "ارے مام وہ بونگی لڑکی! کہیں مارے خوف کے اس کا انتقال ہی نہ ہو جائے' اور کہیں وہ اتنے دنوں سے بھوکی ہی نہ بیٹھی ہو۔" "مذاق نہیں عفی! ملکی بہت سمجھ دار ہے' اور اب وہ ننھی بچی نہیں ہے۔ ماسٹرز کر چکی ہے۔" "چلیں' آپ کہتی ہیں تو مان لیتا ہوں۔ بعد میں تجربہ) بھی ہو جائے گا۔" وہ خوش (Experience دل سے بولا تھا۔ گو وہ ملائکہ کی طرف سے مطمئن تھیں' پھر بھی وہ دسویں کے بعد سب کے روکنے کے باوجود واپس آ گئیں۔ ملائکہ بہت مطمئن اور خوش تھی' اس نے ان کے آتے ہی اپنی فیشن شو میں شرکت کے متعلق انہیں بتایا تو وہ ایک لمحہ کو چپ ہو گئیں' دو دن بعد اس فیشن شو کا انعقاد ہونا تھا۔ اب وہ کیا کہتیں' اور یوں بھی اپنی زندگی میں پہلی بار اس نے اپنی مرضی سے

وہ بڑے اعتماد سے بول رہی تھی۔ یہ ملائکہ تھی جو ہر چھوٹی بڑی رات ہی کو عرفان کا فون آ گیا' وہ بہت سنجیدہ تھا۔ بات ان سے پوچھتی تھی' اور وہ کہتی تھیں۔ "ملائکہ اب بڑی ہو جاؤ۔" اور آج وہ ان کی آنکھوں میں آنکھیں ڈالے کھڑی تھی۔ وہ خاموشی سے باہر چلی گئیں۔ ان کا دل ٹکڑے ٹکڑے ہو رہا تھا۔ اس ننھی سی جان کو انہوں نے پالا پوسا تھا' اس کے لئے خواب دیکھے تھے' اسے اپنے لاڈلے بیٹے کی دلہن بنانے کے۔ کیا اماں کے دودھ کا اثر ان کی تربیت پر غالب آ گیا تھا۔ "اماں صحیح کہتی تھیں۔" ملائکہ نے انہیں خاموشی سے جاتے دیکھ کر سوچا۔ "مجھے شروع میں ہی پھوپھو سے بے دھڑک بات کرنا چاہئے تھی۔ میرے اندر ٹیلنٹ ہے تو میں کیوں نہ اسے آزماؤں۔ ٹھیک ہے میں کل ہی واسطی صاحب سے مل کر معاملہ طے کر لیتی ہوں۔ اماں اور صادق ماما کو ساتھ لے لوں گی۔ وہ بڑی مطمئن ہو گئی تھی' اور سلطانہ کو ہوٹل میں فون کر کے اسے ساری بات بتا دی تھی۔ "شاباش بیٹی! ڈرنا نہیں ہم ہیں نا ادھر۔ تیرے لئے ہی آئے ہیں' اتنا خرچ کر کے' صادق بے چارے نے کرایہ کسی سے ادھار لیا۔" "ٹھیک ہے میں آؤں گی تو پیسے بھی لیتی آؤں گی۔"

پھوپھو اپنے کمرے میں ہیں' میں بلاتی ہوں۔" "مجھے تم سے بات کرنا ہے ملکی! یہ امی جان کیا کہہ رہی ہیں؟" "ہاں میں ماڈل گرل بننا چاہتی ہوں' مجھے شوق ہے۔" "تم نے شوق پورا کر تو لیا ملکی؟" عرفان نے سمجھایا۔ "دیکھو ہمارا ماحول ہمارا پس منظر اس کی اجازت نہیں دیتا' اور نہ ہی میں پسند کرتا ہوں کہ میری بیوی۔" "لیکن مجھے پسند

ہے۔" پتا نہیں اس میں اتنی جرأت کہاں سے آگئی تھی۔ "دیکھو ملائکہ! ماڈلنگ یا میں' تمہیں دونوں میں سے کسی ایک کو چننا ہو گا۔" ایک لمحہ کو اس کا دل ڈوب سا گیا' لیکن دوسرے ہی لمحے سلطانہ کے الفاظ اس کے کانوں میں گونجنے لگے۔ "تیرے قدموں پر سینکڑوں عرفان جیسے لڑکے سر رکھیں گے ملکی! تو ایک بار شوبز کی دنیا میں قدم رکھ' تو تو ملکہ ہے میری جان' شہزادی ہے۔" "میں ماڈلنگ نہیں چھوڑ سکتی۔" دوسری طرف کچھ دیر خاموشی رہی' پھر عرفان کی آواز سنائی دی۔

او کے میری طرف سے تم آزاد ہو۔" اس کا دل جسے گہرائیوں میں ڈوبتا جا رہا تھا۔ وہ کتنی دیر ریسیور ہاتھ میں تھامے ساکت کھڑی رہی۔ شاید دونوں طرف یقین ٹوٹا تھا۔ عرفان کو یقین تھا کہ وہ اسے نہیں چھوڑ سکتی' اور اسے یقین تھا کہ عرفان اس کی ضد مان لے گا۔ ابھی دو تین دن پہلے اس نے اپنا ویڈنگ ڈریس پسند کیا تھا۔ اور۔۔۔ کچھ دیر وہ اپنے بیڈ پر بیٹھی روتی رہی۔ اس وقت صرف سلطانہ تھی' جو اسے تسلی دے سکتی تھی۔ اس کے ٹوٹے دل پر مرہم رکھ سکتی تھی۔ سو کچھ دیر بعد وہ آنسو پونچھ کر اٹھی اور اسے فون کرنے لگی۔ "تم نے بالکل صحیح کیا۔" سلطانہ نے اسے شاباش دیتے ہوئے کہا۔ "صبح واسطی کے دفتر جانا۔ صادق اور میں بھی آجائیں گے۔" صبح ناشتے کے بعد وہ تیار ہو کر باہر نکلی تو پھوپھو کچن کے پاس کھڑی رقیہ کو کچھ ہدایات دے رہی تھیں۔ "میں کام سے جا رہی ہوں۔" انہوں نے بس مڑ کر ایک نظر اسے دیکھا تھا۔ اس کا خیال تھا کہ وہ اسے شاید منع کریں' لیکن انہوں نے کچھ نہیں کہا تھا۔ ایک گمبھیر سنجیدگی ان کے چہرے پر پھیلی ہوئی تھی' اور اس کے بعد بھی انہوں نے کبھی اسے کہیں آنے جانے سے نہ روکا' وہ کیا کرتی ہے' کہاں جاتی ہے؟ انہیں جیسے اس سے کوئی سروکار نہ رہا تھا۔ جس روز اس کی شوٹنگ تھی' وہ خاصی دیر سے آئی تھی' لیکن پھوپھو نے اس سے کوئی باز پرس نہیں کی تھی۔ سلطانہ اور صادق مستقل کراچی میں ہی رہ رہے تھے' اور تقریباً ہر روز

ہی ملائکہ سے ان کی ملاقات ہوتی تھی۔ ملائکہ کے پہلے ہی ایڈ نے اسے خاصا مشہور کر دیا تھا۔ چند ایک ٹی وی پروڈیوسر سروں نے بھی اس سے رابطہ کیا تھا' اور وہ چاہتے تھے کہ وہ ان کی سیریز میں کام کرے' اور سلطانہ چاہتی تھی کہ وہ پھوپھو کا گھر چھوڑ کر اس کے ساتھ لاہور چلے' لیکن صادق ایسا نہیں چاہتا تھا' وہ کچھ اور ہی سوچ رہا تھا۔ کچھ ایسا منصوبہ

جس میں زیادہ سے زیادہ مال ہاتھ لگ سکے' لیکن ابھی وہ کوئی لائحہ عمل نہیں طے کر پایا تھا کہ ملائکہ کو ایک فلم میں کام کی آفر مل گئی' اور وہ بھی ایک بڑے فلم ساز آفتاب علی کی طرف سے۔ سلطانہ اور صادق تو خوشی سے پاگل ہو گئے۔
"ملکی! اس چانس کو مس نہیں کرنا' فوراً ہمارے ساتھ لاہور چلو۔ تم نہیں جانتیں آفتاب علی کا نام' کامیاب فلم کی ضمانت ہے۔" "لیکن ملائکہ متذبذب تھی۔ پتا نہیں پھوپھو لاہور جانے دیں گی یا نہیں؟ کیا ہو گا جو روک لیں۔ گو اس کا دل خود بہت چاہ رہا تھا۔ اس روز آفتاب علی' سلیمان واسطی کے سٹوڈیو میں اچانک ہی آ گئے تھے' جب وہ اپنے ایڈ کی فائنل ریہرسل کر رہی تھی۔ "مجھے اپنی نئی فلم کے لئے ایک نئے چہرے کی ضرورت ہے' اور میں سمجھتا ہوں کہ میری تلاش ختم ہو گئی ہے۔" انہوں نے اس سے کہا تھا' اور تب سے سلطانہ اور صادق ہواؤں میں اڑ رہے تھے۔
کچھ دن وہ سوچتی رہی' لیکن سلطانہ اسے مسلسل اکسا رہی تھی۔ تب اس نے لاہور جانے کا فیصلہ کر لیا' اور ایک صبح ناشتے کی میز پر پھوپھو کو مخاطب کئے بغیر اطلاع دی۔ "میں ایک دو روز تک لاہور جا رہی ہوں۔

پھوپھو نے بس ذرا کی ذرا نظر اٹھا کر اسے دیکھا' اور پھر اپنی پیالی میں چائے انڈیلنے لگی تھیں۔ وہ کچھ دیر تو منتظر نظروں سے انہیں دیکھتی رہی کہ شاید وہ پوچھیں کہ لاہور کیوں جا رہی ہے؟ لیکن انہوں نے تو پوچھا تک نہیں۔ "انہوں نے مجھے پالا ہے' لیکن یہ میری ماں نہیں ہیں۔ اماں صحیح کہتی ہیں کہ ان کے سینے میں میرا درد نہیں ہو سکتا۔ اصل درد تو اماں کو ہی ہو سکتا ہے' وہی میری بہتری اور بھلائی کا سوچ سکتی ہے۔" وہ ایک اجنبی سی نظر ڈال کر اپنے کمرے میں آ گئی' اور سلطانہ کو کمرے میں آتے ہی فون کیا کہ وہ لاہور جانے کے لئے تیار ہے۔ "تیری پھوپھی نے کوئی پھڈا تو نہیں ڈالا؟" سلطانہ خوش ہو گئی۔ "نہیں۔۔۔" "چل شکر ہے' تو تیاری پکڑ صادق کو ادھر کوئی کام ہے۔ دو تین روز تک چلتے ہیں۔ تو اپنا سارا سامان لے لینا۔ پیسہ' دھیلا' زیور' شیور سب۔ جانے کتنے دن ٹھہرنا پڑے۔ واسطی نے جو چیک دیا ہے نا تجھے وہ بھی کیش کروا لینا۔ ٹکٹ شکٹ لینا ہو گا جہاز کا۔ اب تیرے ساتھ ٹرین میں تو نہیں جائیں' بے عزتی ہو گی نا۔" اگلے دو تین دن وہ تیاری کرتی رہی' کچھ نئے کپڑے بنوائے' لیکن اس کا خیال تھا کہ جتنے بھی دن لگے بہر حال لوٹ کر تو ادھر ہی آنا ہے' اس لئے اس نے زیور وغیرہ تو نہیں لیا' ہاں چیک بک رکھ لی تھی۔ بس جو معمولی زیور پہنے ہوئے تھی' وہی اس کے خیال میں بہت تھا۔ پھر بھی اس اٹیچی کیس اور ایک بیگ بن ہی گیا تھا۔ سلطانہ نے اسے فون پر بتا دیا تھا کہ پیر صبح گیارہ بجے اس کی فلائٹ ہے' وہ بائیں کندھے پر بیگ لٹکائے اور دائیں ہاتھ

سے اٹیچی کیس گھسیٹتے ہوئے اپنے کمرے سے باہر نکلی' تو سامنے عرفان کو لاؤنج میں کھڑے دیکھ

کر ٹھٹک گئی۔ اس کے ساتھ ایک کم عمر سی لڑکی تھی۔ یہی کوئی سترہ اٹھارہ سال کی۔ وہ حیران سی اسے دیکھنے لگی۔ "یہ عرفان کب آیا؟ شاید رات کو کسی وقت۔" وہ تو سر شام ہی اپنے کمرے میں گھس جاتی تھی۔ پھوپھو کو یقیناً اس کی آمد کا علم ہو گا' لیکن انہوں نے مجھے بتانا بھی گوارا نہیں کیا۔ عرفان کچھ دیر اسے دیکھتا رہا' پھر ایک لمبی اور گہری سانس لی۔ "کہیں جا رہی ہو شاید؟" "ہاں۔۔۔" اس نے اثبات میں سر ہلا دیا۔ "کتنے دن کا پروگرام ہے۔" اس نے بھاری بیگ اور اٹیچی کیس کو دیکھا۔ "معلوم نہیں۔" وہ اپنے اندر ایک بے چینی سی محسوس کر رہی تھی۔ "میری شادی تک رک جاتیں۔" عرفان نے ایک کھوجتی ہوئی سی نظر اس پر ڈالی۔ لمحہ بھر کو اس کے چہرے کے نقوش میں ارتعاش پیدا ہوا' لیکن دوسرے ہی لمحے وہ نارمل ہو گئی۔

یہ ثنا ہے۔" عرفان نے اس لڑکی کا تعارف کروایا۔ "میری وائف۔۔۔ اور تمہاری بہن۔۔۔ سٹیپ سسٹر میرا مطلب ہے نکاح وہیں ہو گیا تھا' باقی تقریبات یہاں ہوں گی۔ ماموں جان بھی آجائیں گے۔ ہفتہ دس دن تک' کچھ کام تھا نہیں۔" لڑکی کے رخسار گلگوں ہوئے' اور وہ تیزی سے واپس کمرے میں غائب ہو گئی۔ اس نے بیگ ایک کندھے سے دوسرے کندھے تک منتقل کیا۔ "اوکے۔۔۔ میں چلتی ہوں۔" ملائکہ نے بہت دیر سے رکی ہوئی سانس کو آزاد کیا' اور تھوڑا سا جھک کر بیگ کے سٹریپ کو پکڑا۔ عرفان نے آہستگی سے سٹریپ اس کے ہاتھ سے لے لیا۔ "چلو۔۔۔" وہ خاموشی سے بیگ کندھوں پر لٹکائے ہولے ہولے چلنے لگی۔ "ملائکہ!" اٹیچی کیس گاڑی کی ڈگی میں رکھتے ہوئے عرفان نے کہا۔ "یہ تم نے اچھا نہیں کیا ملائکہ! نہ اپنے ساتھ' نہ میرے ساتھ۔ بلکہ ہم سب کے ساتھ۔ بابا کو' امی کو' سب کو تمہارا بہت صدمہ ہے ملائکہ! لیکن میں' مجھے تو تم نے مار دیا ہے۔ پتا نہیں تم نے کبھی میرے متعلق اس طرح سوچا تھا یا نہیں' لیکن میں نے تمہیں بہت سوچا' بہت چاہا' بہت محبت کی تم سے۔ میں نے تم سے کبھی محبتوں کا اظہار نہیں کیا' لیکن

میں نہیں سمجھتا تھا کہ مجھے اس کی ضرورت ہے' پھر ابھی تم پڑھ رہی تھیں۔ ابھی ان سب باتوں کا وقت نہیں تھا۔

میرے پاس تو تمہارے لئے اتنی محبتیں تھیں ملائکہ کہ۔۔۔" وہ ذرا سا رکا ملائکہ ساکت کھڑی تھی۔ "تم نے کبھی میری آنکھوں میں نہیں دیکھا؟ کبھی یہ محسوس نہیں کیا کہ میں تمہارے لئے کتنا حساس ہوں؟ تمہاری معمولی سی تکلیف پر تڑپ اٹھتا ہوں' مجھے یقین تھا کہ تمہارے دل میں بھی میرے لئے بہت جگہ ہوگی' لیکن جب تم نے کہا کہ تم ماڈلنگ کو نہیں چھوڑ سکتیں' ہاں مجھے چھوڑ سکتی ہو تو جانتی ہو کیا ہوا۔ تم نے میرے برسوں کے بنائے رنگ محل کو خاک میں ملا دیا۔ میں کتنے ہی دن شاک میں رہا' کتنے دن پاگلوں کی طرح پھرا۔۔۔ تم نے۔۔۔ تم نے ملائکہ! تم نے مجھے مار دیا۔" وہ ایک دم تیزی سے مڑا اور تقریباً بھاگتے ہوئے اندر چلا گیا۔ ملائکہ کا جی چاہا' وہ بھی بھاگتی ہوئی اس کے پیچھے چلی جائے۔ اس سے سوری کرلے' اور کہے تم تو میرے لئے سب سے اہم ہو ماڈلنگ ایکٹنگ سب تمہاری محبتوں کے سامنے کچھ بھی نہیں ہیں۔" لیکن دوسرے ہی لمحے وہ خوبصورت سی کم عمر لڑکی جو اس کے بے حد پیارے بابا کی بیٹی تھی' اس کی آنکھوں کے سامنے آگئی' اور عرفان کی آواز۔ "ہمارا نکاح ہو چکا ہے۔" "اوہ!" اس "نے اتنی شدت سے نچلے ہونٹ کو دانتوں تلے دبایا کہ خون چھلک آیا تھا۔ "کہاں جانا ہے بی بی۔۔۔؟

ڈرائیور آکر پوچھ رہا تھا۔ "ایئر پورٹ۔۔۔" اس نے کلائی موڑ کر وقت دیکھا۔ کیا تھا اگر وہ کچھ دن اور رک جاتی' اور بابا سے اس کی ملاقات ہو جاتی۔ کتنے سالوں بعد وہ آرہے تھے' لیکن کیا وہ ان کا سامنا کرسکے گی۔ "خیر جو ہوا سو ہوا۔ ایک بار مجھے اپنا ٹارگٹ مل جائے' تو میں پھوپھو کو آکر منالوں گی۔ پھوپھو بہت دیر مجھ سے ناراض نہیں رہ سکیں گی' اور بابا تو۔۔۔" مدھم سی مسکراہٹ نے اس کے لبوں کو چھوا' لیکن وہ نہیں جانتی تھی کہ آج کے بعد وہ کبھی اس گھر کے گیٹ میں داخل نہیں ہوگی۔ اسے فلم میں تو چانس نہ مل سکا تھا' لیکن ایک ٹی وی ڈرامے نے اسے راتوں رات شہرت کی بلندیوں پر پہنچا دیا تھا۔ اس کے متعلق اگر یہ کہا جاتا کہ وہ آئی اور چھا گئی تو کچھ غلط نہ تھا۔ اس کا حسن' اس کی معصومیت' ذہانت' تعلیم اور ایکٹنگ کی تعریفوں سے اخبار بھرے تھے۔ دھڑا دھڑ انٹرویو چھپ رہے تھے۔ وہ اس گلیمر میں ایسی الجھی کہ پیچھے مڑ کر دیکھ ہی نہ پائی' اگر کبھی خیال آیا بھی تو قدم نہ اٹھ سکے کہ اس کی یہ غلطی تو معاف کر بھی دی جاتی' لیکن جو دوسری غلطی اس سے سرزد ہو گئی تھی' وہ یقیناً قابل معافی نہ تھی۔ لاہور آنے کے چند ہی دن بعد صادق نے مشورہ دیا تھا کہ اس کا نکاح اس کے بیٹے اللہ یار سے کر دیا جائے۔ اس صورت میں یہ خطرہ نہیں رہے گا کہ محب اللہ خان کچھ کر سکیں گے۔ "وہ حبس بے جا کا کیس کر سکتا ہے۔ باپ ہے تمہارا' اور قانوناً وہ تمہیں زبردستی لے جا

سکتا ہے' کیونکہ انہوں نے زور سے اور ڈرا کر شانی سے لکھوالیا تھا کہ اس کا تم پر کوئی حق نہیں

ہو گا' اب تم بالغ ہو' اس نکاح کے بعد تمہاری پوزیشن مضبوط ہو جائے گی۔" "لیکن۔۔۔" ملائکہ متذبذب تھی۔ اللہ یار نے میٹرک پاس کیا تھا' اور ایک الیکٹرک کے سامان مرمت کرنے والی دکان پر کام کرتا تھا' سادا ساعام سا لڑکا۔ "یہ صرف کاغذی نکاح ہو گا ملائکہ؟" صادق نے اسے سمجھاتے ہوئے کہا' لیکن پھر یہ صرف کاغذی نکاح نہیں رہا تھا۔ شہریار اس کا ثبوت تھا۔ اللہ یار باپ کی طرح ہوشیار اور چالاک نہیں تھا' اس لیے وہ وہی کرتا' جو اس کا باپ کہتا تھا۔ سو جب وہ اللہ یار کے ساتھ اپنی شادی کا سوچتی' تو اس کے قدم ٹھہر جاتے۔ "نہیں' بابا اور پھوپھو مجھے کبھی معاف نہیں کریں گے۔" لاہور آنے کے سال بھر بعد تک تو اسے کوئی قابل ذکر کام نہیں ملا تھا۔ سلیمان واسطی کے دفتر میں ملنے والے آفتاب علی نے ایک نئی لڑکی سلیکٹ کر لی تھی' جو پہلے ٹی وی ڈراموں میں کام کرتی تھی' سو لاہور آ کر بھی وہ کچھ عرصہ تک ماڈلنگ ہی کرتی رہی' تاہم ماڈلنگ سے اتنی رقم ضرور مل گئی تھی کہ اس نے گلبرگ میں ایک بنگلہ خرید لیا تھا' اور سلطانہ کے ساتھ اس میں اٹھ آئی تھی۔ سلطانہ کے گھر میں نذیر کا رویہ انتہائی برا تھا۔ وہ شخص اسے بالکل پسند نہیں آیا تھا۔ ہر وقت سلطانہ سے لڑتا رہتا اور ان پیسوں میں حصہ مانگتا' جو ملائکہ کو ملتے تھے۔ جب کہ پیسوں کا

سارا حساب کتاب صادق کے پاس تھا۔ گھر خرید لیا گیا تو سلطانہ نے کہا۔ "چل گولی مار نذیرے کو' میں اس سے طلاق لے لیتی ہوں۔ ویسے بھی دمے کا مریض ہو گیا ہے۔ ساری رات کھانس کھانس کر میرا دماغ خراب کر دیتا ہے۔" نذیر نشے میں تھا جب سلطانہ نے اس سے طلاق مانگی' اس نے فوراً ہی اسے طلاق دے دی' لیکن بعد میں بہت پچھتایا' کتنی بار کوٹھی پر آیا کہ وہ نشے میں تھا' لیکن سلطانہ نے دھکے دے کر نکال دیا۔ شروع میں تو صادق اور اس کے بیوی بچے بھی ان کے ساتھ رہے' لیکن بعد میں سلطانہ اور صادق میں زبردست جھگڑا ہوا' اور سلطانہ نے صادق کو گھر سے نکال دیا۔ صادق' اللہ یار کو بھی لیتا گیا' لیکن کچھ دنوں بعد بہن بھائی پھر ایک جیسے ہو گئے' تاہم صادق نے اسے ایک گھر لے لیا تھا۔ ملائکہ اپنی زندگی میں مصروف تھی۔ اسے ان سارے جھگڑوں سے کوئی سروکار نہ تھا۔ صادق اور سلطانہ کے کہنے پر اس نے اپنی شادی کو چھپایا ہوا تھا' وہ اللہ یار سے محبت نہیں کرتی تھی۔ نہ ہی اللہ یار نے کبھی اس سے محبت

کے بول بولے تھے۔ بس وہ اس کا شوہر تھا وہ دن رات شوٹنگ میں مصروف رہتی تھی' ٹی وی ڈراموں کے ساتھ ساتھ اس نے فلم سائن کرلی تھی۔ ہر طرف اس کی اداکاری کی دھوم تھی۔ "ملائکہ کی اداکاری پر حقیقت کا گمان ہوتا ہے۔" وہ ہر مکالمے کو اس طرح ادا کرتی ہے کہ اس میں جان ڈال دیتی ہے۔" ایسے تبصرے چھپتے رہتے تھے' وہ جو ملائکہ خان کے نام سے متعارف ہوئی تھی' اب فخر سے بتاتی۔ "میں ملائکہ محب اللہ خان ہوں' میرے والد ایک بڑے "بزنس مین ہیں۔

وہ حوالہ جو چھوڑ آئی تھی' اسے اب اس حوالے کی ضرورت تھی' کہ لوگ اسے سلطانہ اور صادق کے ساتھ دیکھ کر طرح طرح کی قیاس آرائیاں کرتے تھے۔ وہ بے حد مصروف تھی' اتنی مصروف کہ رات گئے جب گھر آکر بستر پر لیٹتی تو اسے کچھ یاد نہ رہتا' نہ پھوپھو' نہ وہ گھر' نہ بابا' نہ عرفان۔ پورے دو سال وہ بے حد مصروف رہی۔ اخبار اس کی اداکاری کی تعریف سے بھرے ہوتے۔ ایک کے بعد دوسرا کامیاب ڈرامہ اور پھر یکے بعد دیگرے دو کامیاب فلموں نے اسے سب کچھ بھلا دیا تھا' لیکن جس روز اس کی تاج پوشی ہوئی' اور اسے اداکاری کی ملکہ کہا گیا' اس رات جب وہ اپنے بیڈ پر لیٹی تو اسے لگا' اتنی بہت ساری کامیابیوں اور کامرانیوں کے باوجود اس کا دامن خالی ہے۔ اس کے اندر عجب طرح کی ویرانی ہے' اور اس روز بے شمار دنوں بلکہ مہینوں کے بعد اس نے سلطانہ سے اللہ یار کے متعلق پوچھا۔ "وہ تو دبئی چلا گیا ہے' مزدوروں میں بھرتی ہو کر۔" "اور مجھے بتایا تک نہیں۔" "تمہارا اس کا کیا جوڑ تھا' ملائکہ جان! یہ تو بس ایک حفاظتی تدبیر تھی' اور اب اس کی ضرورت نہ تھی۔ میں نے اس سے کہہ دیا تھا کہ طلاق دے دے تمہیں۔ صادق نے تو بہت منع کیا' یہ صادق بھی بڑا لالچی ہے۔ میں سمجھتی ہوں اس کی نظر تیری آمدنی پر ہے' تیرے اکاؤنٹ میں تو آدھی بھی جمع نہیں کرواتا' میں کہتی ہوں تو خود کیوں نہیں حساب کتاب رکھتی۔ یہ کم بخت ہم ماں بیٹی کو بھیک منگوائے گا۔ مجھے تو ساری زندگی اس کی چالیں سمجھ میں نہ آئیں' وہ تو اللہ یار نے جاتے جاتے اس کے "سارے راز کھول دیئے۔

کیا اللہ یار نے مجھے طلاق دے دی؟" ملائکہ نے کب کی رکی ہوئی سانس آزاد کی۔ "ہاں۔۔۔ وہ پہلے بھی اس شادی پر" رضامند نہ تھا۔ تمہارا اس کا کوئی جوڑ نہیں ہے' تمہارے اور اس کے مزاج میں کچھ بھی ایک جیسا نہیں ہے۔ وہ کہتا تھا'

وہ سیدھا سادا آدمی ہے اپنے ابا جیسا نہیں ہے' اور یہ کہ اسے اپنے جیسی ہی ایک سادہ گھریلو سی بیوی کی ضرورت ہے' جو دال روٹی کھا کر گزارا کرلے' جسے زیادہ کی ہوس نہ ہو۔" "اور شہریار۔۔۔" اس کے لب رائے کھلے تھے۔

"شہری کا کیا ہے وہ تو میرا بیٹا ہے۔" وہ خاموشی سے واپس اپنے کمرے میں آگئی۔ وہ اللہ یار سے محبت تو کجا کوئی لگاؤ بھی نہیں رکھتی تھی' اور ان دو سالوں میں تو ایک بار بھی وہ اور اللہ یار اکٹھے نہیں رہے تھے' بلکہ اس کی اللہ یار سے کوئی خاص بات بھی نہیں ہوتی تھی' حالانکہ کئی بار آتے جاتے اس کی نظر اس پر پڑتی تھی۔ پر بھی دل کے اندر جیسے ایک گھاؤ سا پڑ گیا تھا' پہلے عرفان نے اسے ٹھکرا دیا تھا' اور اب اللہ یار جیسے مرد نے بھی اسے رد کر دیا تھا۔ حالانکہ وہ خود اس سے طلاق لینا چاہتی تھی' لیکن اب اس نے از خود اسے طلاق دے دی تھی' تو جیسے اس کی زخمی انا تڑپ رہی تھی۔ کیا وہ اس قابل نہیں ہے کہ اسے چاہا جائے۔ اس سے محبت کی جائے۔

عرفان نے کہا تھا کہ اس نے اسے بہت چاہا ہے' اس کے پاس اسے دینے اور کہنے کے لئے بہت کچھ تھا لیکن۔۔۔ اور اس کے اندر عجب طرح کی تشنگی امڈ آئی۔ اسے محبت کی ہوس ہو گئی۔ وہ ہر اس شخص کی طرف لپکنے لگی' جو ذرا بھی التفات بھری نظر اس پر ڈالتا۔ وہ ملائکہ جس کے متعلق کہا جاتا تھا کہ وہ مغرور ہے' اسے خاندان کا فخر ہے' وہ کسی کو لفٹ نہیں کراتی۔ اس کے سکینڈلز چھپنے لگے' کبھی کسی صحافی کے ساتھ' کبھی کسی اداکار کے ساتھ' کبھی کسی پروڈیوسر کے ساتھ۔ پھر۔۔۔ ممتاز سومرو کا نام اس کے ساتھ لیا جانے لگا۔ ممتاز سومرو ایک معزز جاگیر دار۔۔۔ کسی تقریب میں دونوں کی ملاقات ہوئی تھی۔ اسے محبت کی چاہ تھی' وہ لفظوں کی بھوکی تھی' اور ممتاز سومرو کے پاس لفظوں کی جادوگری تھی۔ وہ اس کی ایسی اسیر ہوئی کہ اسے لگتا وہ اندر تک لبالب محبت سے بھر گئی ہے۔ ساری عمر کی تشنگی ختم ہو گئی ہے۔ عرفان سے کہیں زیادہ محبتیں تھیں' ممتاز کے پاس۔۔۔ وہ اس کا ساتھ پانے کے لئے سب کچھ چھوڑنے کو تیار ہو گئی۔ عین بلندی اور عروج پر اس نے شوبز کو خیرباد کہہ دیا۔ پرانے کنٹریکٹ مکمل کیے' اور مزید کچھ بھی کرنے سے انکار کر دیا۔ سلطانہ اس پر سخت ناراض ہوئی۔ "تم پاگل ہو گئی ہو۔" "ہاں' میں ممتاز کے لئے پاگل ہوں۔"

شوبز میں بہت پیسہ ہے ملکی! اور ابھی چھ سات سال تک تو بہت کما سکتی ہے۔" "ممتاز کے پاس بھی بہت پیسہ"

ہے۔" "اور میں۔۔۔ میرا کیا ہوگا؟" سلطانہ گھبرائی ہوئی تھی۔ "تم یہاں اسی گھر میں رہنا۔ میں تمہیں پیسے بھیجتی رہوں گی۔" "لیکن ملکی۔" "بس۔۔۔ مجھے جانا ہے۔" "اور شہریار۔۔۔" "وہ تمہارا بیٹا ہے' سب کی طرح ممتاز بھی یہی سمجھتا ہے۔ وہ تمہارے پاس ہی رہے گا۔ اس کا خرچ میں دے دوں گی۔" سلطان کا سمجھانا' اس کی دھمکیاں' ڈراوے سب بے معنی تھے اس کے لئے۔ اس نے فیصلہ کر لیا تھا' سو وہ سب چھوڑ کر ممتاز کے ساتھ اس کے گاؤں چلی گئی۔ ممتاز نے اس کے ساتھ بہت سے وعدے کیے تھے' لیکن گاؤں جا کر وہ سارے وعدے بھول گیا۔ گاؤں میں اس کی پہلے سے ہی دو بیویاں موجود تھیں' اور ملائکہ کے لئے اس کے پاس بہت کم وقت ہوتا تھا۔ زمینوں کے جھگڑے' لوگوں سے ملنا ملانا۔ وہ سارا دن مصروف رہتا تھا' اور وہ بولائی بولائی سی حویلی کے برآمدوں اور کمروں میں چکراتی پھرتی۔

ممتاز کی بیویاں اس کی بے چینی دیکھ کر ہنستیں' اور دور سے اشارے کر کے سرگوشیاں کرتیں۔ ممتاز ہفتے میں دو بار ہی اس کے پاس آتا' لیکن یہاں اس حویلی میں آ کر وہ سارے خوبصورت لفظ کھو بیٹھا تھا' اسے لگتا وہ ایسی ہی تشنہ اور خالی ہے۔ اس کے کاسے میں محبت کا کوئی سکہ نہیں ہے' اور وہ عرفان کہتا تھا کہ اس کے پاس اس کے لئے ڈھیروں محبتیں تھیں۔ اور یہ ممتاز سومرو۔ جانے کس دھوکے میں وہ اس کی طرف چلی آئی تھی۔ "اماں نے صحیح کہا تھا یہ جاگیردار ایسے ہی ہوتے ہیں۔ چار دن عیش کرے گا' اور چھوڑ دے گا۔" ممتاز نے تو اسے نہیں چھوڑا تھا' ہاں اس نے اسے چھوڑنے کا عہد کر لیا تھا۔ "میں نے تمہیں پہلے ہی بتا دیا تھا ملائکہ محب اللہ خان کہ ہماری حویلی کی پابندیاں تم سہہ نہ پاؤ گی۔" "میں پابندیوں سے نہیں گھبراتی ممتاز سومرو۔ اگر تمہاری محبت بھی سنگ ہوتی' لیکن اب تو یہ پابندیاں میرے لئے گلے میں پڑے طوق ہیں جو لمحہ لمحہ دم گھونٹ رہے ہیں۔ تم مجھے آزاد کر دو۔" اور ممتاز سومرو نے بلا جھجک اسے آزاد کر دیا۔ ایک سال دس ماہ بعد وہ واپس آ گئی دو لاکھ حق مہر کا چیک لئے۔ سلطانہ خوش ہو گئی' صادق جس کے ساتھ ملائکہ کے جانے کے سلطانہ نے صلح کر لی تھی' کھل اٹھا۔

میں نے تو پہلے ہی کہہ دیا تھا' تو اس کے ساتھ بس نہیں سکے گی خیر۔۔۔" خوشی سلطانہ کی آنکھوں سے پھوٹی پڑی تھی۔ "کیا کچھ لے کر آئی ہے؟" "بس یہ دو لاکھ۔۔۔ دو لاکھ تو تیرا حق مہر ہی تھا۔" "ہاں یہ حق مہر ہی ہے۔" وہ بہت تھکی ہوئی تھی' اور آرام کرنا چاہتی تھی۔ "تو اور کچھ نہیں؟ کوئی کوٹھی' کوئی بینک بیلنس سالوں میں کچھ بھی نہیں

لے سکی تو اس جاگیردار کے بچے سے؟" سلطانہ کے چہرے پر مایوسی تھی۔ وہ ایک نظر اس پر ڈال کر اپنے کمرے میں آگئی۔ پچھتاوے اس کے اندر ڈنک مارنے لگے۔ اس نے وہ سب یاد کیا جو چھوڑ آئی تھی' پھوپھو کی محبتیں' شفقتیں' بابا کا پیار اور سب سے بڑھ کر عرفان کی چاہتیں۔ "عرفان۔" اس کے ہونٹوں سے سسکی نکلی۔ وہ بہت دیر تک روتی رہی' اور اس نے سوچا کہ وہ پھوپھو کے پاس واپس چلی جائے۔ ان کے پاؤں پر گر کر معافی مانگ لے' وہ ضرور معاف کر دیں گی۔ اس نے سلطانہ اور پھوپھو کا

موازنہ کیا' تو اسے لگا کہ سلطانہ ایک اچھی عورت ہے' اور شاید اسی لئے بابا کی ان سے نبھ نہیں سکی تھی' لیکن کبھی کبھی واپس پلٹنے میں بہت دیر ہو جاتی ہے' اسے بھی دیر ہو گئی تھی۔ پھوپھو کو عرفان اپنے ساتھ کینیڈا لے گیا تھا۔ وہ گیٹ کے پاس بیٹھی بہت دیر تک روتی رہی۔ چوکیدار نے اسے پانی پلایا۔ "بابا! کیا پھوپھو مجھے یاد کرتی تھیں' کبھی انہوں نے میرا نام لیا؟" "کیوں یاد نہ کرتی ہوں گی' پالے کی محبت تو بڑی ظالم ہوتی ہے بیٹا۔ سلطانہ بی بی تو آپ کو مرنے کے لئے چھوڑ گئی تھیں۔ ذرا سی جان کو بیگم صاحبہ نے ہی سنبھالا تھا۔" چوکیدار نے اسے جو کچھ بتایا' اس نے اندر باہر آگ لگا دی تھی۔ وہ کراچی سے لوٹی تو سلطانہ سے الجھ پڑی۔ "تم نے میری زندگی برباد کی ہے' تم میری ماں نہیں ہو' تم نے مجھے اجاڑ دیا' مگر گھر' میرا شوہر سب چھین لیا۔ مجھے پھوپھی کا گھر چھوڑنے پر اکسایا۔" "ارے چل اتنی ہمدرد تھی تیری پھوپھو تو روک لیتی تجھے' نہ جانے دیتی۔ اس نے تو سوچا ہو گا' خس کم جہاں پاک۔" "ہاں' پھوپھو مجھے روک بھی تو سکتی تھی زبردستی' لیکن میں ان کی بیٹی جو نہیں تھی۔ اماں سچ کہتی ہے۔" اسے سلطانہ کی بات سچ لگی۔ پھر کئی دن گزر گئے تو ایک روز سلطانہ نے کہا۔ "چل ختم کر اب یہ سیاپا۔ ذرا پارلر جا کر تیار شیار ہو' اور صادق کے ساتھ جا کر آفتاب صاحب سے مل لے۔ آج کل وہ ایک نئی فلم بنا رہے ہیں۔" "مجھے کسی فلم یا ڈرامے میں کام نہیں کرنا۔"

تو بھوکی مرے گی کیا۔۔۔ میرے پاس تو کچھ نہیں ہے' کل شہری کو بھی ٹیچر نے کلاس سے باہر نکال دیا' دو ماہ سے فیس نہیں دی۔" "اور وہ دو لاکھ۔۔۔" "گئے سب' اتنا قرض چڑھا ہوا تھا' وہ اتارا۔ تو تو چل دی تھی اس ممتاز کے ساتھ' پیچھے ہم نے کیسا وقت گزارا تجھے کیا خبر۔" سلطانہ کی آنکھیں برسنے لگیں۔ "اچھا چل۔۔۔ دیکھتی ہوں۔"

اس نے ماں کو تسلی دی۔ "میں فون کروں' صادقے کو؟" "نہیں' میں خود چلی جاؤں گی۔" "یہ ٹھیک ہے' تو خود سمجھدار ہے' وہ تو آدھے پیسے خود رکھ لیتا ہے۔ دو سال تک چھوٹی اور بڑی سکرین پر حکومت کرنے والی ملائکہ جب آفتاب صاحب سے ملنے گئی تو چپراسی نے اسے انتظار کرنے کو کہا' وہ غصے سے باہر نکل گئی' اور ایک ایڈورٹائزنگ ایجنسی میں چلی گئی۔ اس کمپنی کا مالک اسے اپنے ایڈ میں لینے کے لئے اس کے پیچھے بھاگتا تھا' اس نے وعدہ کیا کہ وہ جلد ہی اسے بلائے گا۔ "کام بنا۔۔۔؟" گھر میں داخل ہوتے ہی سلطانہ نے پوچھا' تو وہ چیخ اٹھی۔

نہیں کر سکتی اب میں کام۔" "تو پھر واپس کیوں آئی ہے' رہتی اس اپنے عاشق کے پاس۔" سلطانہ نے بھی چلا کر کہا۔ کچھ دیر وہ بولتی رہی۔ ملائکہ خاموشی سے اندر کمرے میں چلی گئی' اور سلطانہ تیار ہو کر تھیٹر چلی گئی۔ کسی صحافی کو اس کی واپسی کی خبر مل گئی تھی' تو اس نے اخبار میں سرخی لگا دی۔ "شوبز کی دنیا کو اچانک چھوڑ جانے والی ملائکہ محب اللہ خان کی واپسی۔" اور پھر تو قیاس آرائیاں ہونے لگیں' لیکن سلطانہ کے اصرار کے باوجود اس نے سٹوڈیوز کا رخ نہیں کیا' تو تھک ہار کر سلطانہ بھی خاموش ہو گئی' اور گھر اس کی تھیٹر کی معمولی آمدنی پر چلنے لگا۔ پیسہ آتا تو تھا' لیکن سلطانہ بہت فضول خرچ تھی۔ جب نوبت زیورات بکنے پر آئی سلطانہ نے ایک بار پھر ملائکہ کو جھنجھوڑا۔ "لوگ مجھے بھول چکے ہیں اماں۔" "ایک بار تو پھر آجائے تو تیرا ہی راج ہوگا' یہ جو سکرین پر تھرک رہی ہیں چوبیس گھنٹے انہیں تو ایکٹنگ کی الف بے بھی نہیں آتی۔" "میں بھی اب ایکٹنگ نہیں کر سکتی۔" "اچھا چل صادق دبئی جا رہا ہے "ایک شو ہے' تو بھی چلی جا اس کے ساتھ۔ میرا نہیں تو شہریار کا سوچ لے۔

وہ جانے کس موڈ میں تھی کہ اس نے ہامی بھر لی' یا پھر وہ ذہنی طور پر اتنی کمزور ہو چکی تھی کہ احتجاج کر ہی نہ سکتی تھی۔ دو ماہ بعد جب وہ دبئی سے واپس آئی تو اس کی حالت بدلی ہوئی تھی۔ وہ سگریٹ پینے لگی تھی' اونچے اونچے قہقہے لگاتی' جینز اور ٹی شرٹس پہنتی' اونچی آواز میں بات کرتی' کبھی بیٹھے بیٹھے رونے لگتی۔ شو کے پردے میں کیا ہوا تھا' اس کے متعلق نہ ملائکہ نے بتایا نہ صادق نے۔ "یہ تو نے میری بچی کو کیا کر دیا صادق۔" سلطانہ نے صادق سے پوچھا تو وہ ہنس دیا۔ "میں نے تو کچھ کیا' تو ہی کہتی تھی نا کہ اسے زندگی کی طرف لاؤں تو لے آیا اسے زندگی کی طرف' اور بہت پیسہ کما کے لائی ہے وہاں سے۔" لیکن وہ اب بدل گئی تھی' وہ جو سارے کے سارے پیسے سلطانہ کو دے دیتی

تھی' اب اپنی رقم چھپانے لگی تھی' اور اس پر سلطانہ لڑتی اسے برا بھلا کہتی۔ مگر وہ چپ چاپ سنتی رہتی' دبئی سے واپس آ کر اس نے نئی گاڑی بھی خرید لی تھی' اور اکثر گاڑی لے کر نکل جاتی۔ سلطانہ چاہتی تھی کہ وہ پھر شوبز میں چلی جائے۔ "تیری بیٹی اب ہیروئن نہیں بن سکتی' یہ تو ایک جملہ بھی یاد نہیں کر سکتی۔ اب مکالمے کیا یاد کرے گی۔" کوئی بگڑی آسامی دیکھ کر اس سے شادی کر دے اس کی۔" صادق کا مشورہ سلطانہ کو پسند آیا تھا۔

اور وہ لوگوں کو پھانس پھانس کر لانے لگی۔ اسے اب بھی کبھی کبھار تھیٹر' ڈرامے میں کسی بوڑھی نائکہ یا ایسے ہی کوئی کردار مل جاتے تھے' وہاں کسی سے ملاقات ہوتی تو وہ ملائکہ کی تعریف میں زمین آسمان کے قلابے ملاتی۔ ملائکہ سے ملواتی' ملائکہ جو ایکٹنگ سکرین پر کرتی تھی' وہ عام زندگی میں کرنے لگی۔ وہ سلطانہ کے مہمانوں سے اپنی ذات کے حوالے سے دھڑلے سے جھوٹ بولتی۔ اس نے اتنے جھوٹ بولے تھے کہ اسے خود بھی سچ لگتا تھا' وہ سب جو وہ کہتی تھی' اب پورے یقین سے کہنے لگی تھی۔ سات سال میں لوگ اسے بھول چکے تھے۔ بعض اوقات تو قریب سے گزرنے پر کوئی اس کی طرف دیکھتا بھی نہ تھا' پہچانتا بھی نہ تھا۔ "کیا اس کی شکل بدل گئی ہے؟" وہ گھنٹوں آئینے کے سامنے بیٹھی خود کو تکتی رہتی۔ لوگ اسے پہچانتے کیوں نہیں؟ بڑے بڑے پروڈیوسر اس کے پاس منتیں کرنے کیوں نہیں آتے؟ وہ یہ کیوں نہیں کہتے کہ اس کے بغیر سکرین تاریک ہے' ایکٹنگ مر گئی ہے' ڈرامہ زندہ نہیں رہا ہے۔ اس نے اپنی ایک تصوراتی دنیا تخلیق کر لی تھی' جہاں وہ سکرین کی ملکہ تھی' جہاں پروڈیوسر اس کے قدموں میں گرتے تھے' اور جہاں عرفان سے زیادہ وجیہہ اور باوقار مرد اس کی محبت کا دم بھرتے تھے۔ اس صورت حال نے اس کے اندر ایک توڑ پھوڑ کا عمل شروع کر دیا تھا۔ وہ سلطانہ کے لائے ہوئے ہر شخص کی طرف لپکتی' لیکن پھر وہ مرد اسے ممتاز سومرو لگتا' محبتوں سے خالی' کھوکھلا' اور وہ پیچھے ہٹ جاتی' جس پر ماں بیٹی میں لڑائی ہو جاتی۔ "وہ اتنا "دولت مند تھا' عیش کرتی ساری زندگی۔" "لیکن اس کا دل خالی تھا' اس کے پاس محبت نہیں تھی۔

سلطانہ اسے دو ہتھڑ مارتی۔ لیکن اسے تو محبت کی ہوس ہو گئی تھی۔ چاہے جانے کا خبط۔ اسی طلب میں وہ ایک بار پھر دھوکا کھا بیٹھی۔ مرزا مسعود ایک رنڈوا زمیندار تھا' جوان بیٹے شادی شدہ تھے' لیکن مرزا مسعود خود بھی جوان ہی لگتا تھا' بال ڈائی کرتا' تھری پیس سوٹ پہنتا' پجارو میں بیٹھتا۔ جب لاہور آتا تو اپنی ذاتی کوٹھی میں قیام کرتا' بھور بن

میں بھی اس کی کوٹھی تھی۔ سلطانہ کو جانے کہاں ملا تھا' لیکن اس کے توسط سے ملائکہ تک پہنچا تھا۔ اس نے ملائکہ کے سارے ڈرامے اور دونوں فلمیں دیکھ رکھی تھیں۔ وہ ملائکہ سے اس کے پرانے کرداروں کے حوالے سے بات کرتا' تو اس آنکھیں چمک اٹھتیں۔ وہ بہت اشتیاق سے اس کی باتیں سنتی' پھر مرزا نے اسے پروپوز کر دیا۔ اور ملائکہ نے جو بھاگتے بھاگتے ہانپنے لگی تھی' ہاں کر دی۔ سارے معاملات سلطانہ اور مرزا میں طے ہو گئے تھے' اور وہ ان معاملات سے بے خبر تھی۔ اس نے سوچا تھا کہ وہ مرزا مسعود کی وفادار بیوی بن کر رہے گی' چاہے کچھ بھی ہو' مرزا اسے اپنی حویلی میں لے کر نہیں گیا تھا' بلکہ لاہور والی کوٹھی میں رکھا تھا' اسے لگتا تھا کہ جیسے غلاظت میں سے اٹھ کر وہ ایک بار پھر معتبر ہو گئی ہو' لیکن ٹھیک گیارہ ماہ بعد مرزا مسعود نے اسے فارغ کر دیا۔ وہ ہکا بکا سی اسے دیکھتی رہی۔ "تم بہت اچھی ہو' لیکن میرے بیٹوں نے مجھے مجبور کر دیا ہے۔ میں انہیں نہیں چھوڑ سکتا۔" وہ سلطانہ کے گلے لگ کر خوب چیخ چیخ کر روئی۔ یہ عورت اس کی واحد ہمدرد تھی اس دنیا میں' کتنی کوشش سے اس نے اس کا گھر بسایا تھا' لیکن اس کی قسمت ہی خراب تھی کہ وہ بس

زندگی ایک بار پھر پرانی روٹین پر چلنے لگی تھی۔ سلطانہ اب بھی چاہتی تھی کہ وہ کسی مالدار شخص سے شادی کر لے' لیکن اس کے ذہن کے تار ٹوٹ رہے تھے۔ دل میں سناٹے اتر آئے تھے۔ تنہائیاں تھیں' اپنے بیٹے سے بھی اسے کوئی خاص دلچسپی نہ تھی' یوں لگتا تھا جیسے وہ ایک کٹھ پتلی ہو' جس کی ڈور سلطانہ کے ہاتھ میں تھی' وہ جیسے ڈور ہلاتی تھی' وہ ویسے ہی کرتی تھی' لیکن کبھی کبھی وہ سلطانہ سے الجھ پڑتی۔ لڑتی لیکن پھر کچھ دیر بعد ہی اس کے گلے لگ کر اسے منا لیتی۔ اعتراف کرتی کہ وہ ہی اس بھری دنیا میں اس کی واحد ہمدرد ہے' لیکن گزرتے وقت کے ساتھ ساتھ اس کی ذہنی حالت خراب سے خراب ہوتی گئی۔ ایک دوبار اس نے سلطانہ کو مارنے کی بھی کوشش کی' لیکن جسمانی لحاظ سے سلطانہ اس سے طاقتور تھی۔ سو وہ کامیاب نہ ہو سکی۔ اب سلطانہ اسے کمرے میں بند رکھنے لگی تھی۔ اس کی حالت بہت بری تھی۔ وہ کھانا پھینک دیتی' کوئی قریب جاتا تو اسے مارتی' سلطانہ اس سے تنگ آ گئی' تو ایک بار پھر اس نے نہ سکا' مگر سلطانہ خوش تھی یہ سودا مہنگا نہ صادق سے مدد لی۔ صادق اب اقبال ٹاؤن میں ایک اچھے گھر میں رہتا تھا۔ نہیں تھا' دس لاکھ حق مہر کے علاوہ ڈیفنس والی کوٹھی اور بے شمار زیور تھے ملائکہ کے پاس۔ کوٹھی شادی سے پہلے اس نے ملائکہ کے نام کروالی تھی' مرزا اور اس کے بیٹوں نے بغیر کوئی پھڈا ڈالے کوٹھی خالی کر دی تھی۔ جسے سلطانہ

نے کرائے پر چڑھا دیا تھا' اگر وہ سلیقے سے خرچ کرتی تو ساری زندگی بیٹھ کر کھا سکتی تھی' لیکن سلطانہ تو کرائے کے پیسے ہفتوں میں ختم کر دیتی تھی۔

اسے واپس پھوپھی کے پاس بھجوا دو۔" صادق نے مشورہ دیا۔ "لیکن وہ تو ملک سے باہر ہے۔" "میں پچھلے دنوں کراچی گیا تھا' تو میں نے محب اللہ کو دیکھا تھا' کیا خبر وہ لوگ واپس آگئے ہوں' پتا کرواتا ہوں' لیکن آج کل ذرا ہاتھ تنگ ہے' ٹکٹ کے لئے پیسے دے دینا۔' "تیری عادتیں نہ بدلیں صادق بڈھا ہو گیا ہے پھر بھی۔۔۔" سلطانہ ہنس دی۔ "اور دیکھ اللہ یار کو بھی فون کر دے کہ اپنے بیٹے کو سنبھالے اب۔" "تو تو کیا اب آخرت کے سفر پر جا رہی ہے۔" "تیری زبان میں کیڑے پڑیں صادق! میں تو شادی کر رہی ہوں۔" "اس عمر میں؟" "ہاں' اسی عمر میں تو زیادہ ضرورت ہوتی ہے۔ تنہا جیا نہیں جاتا۔" "کسے پھانسا ہے؟" "وہ ہے محلّل سینما کا ٹکٹ بابو شیخ منیر بے چارہ "اکیلا ہے۔

اچھا اچھا وہ بڈھا' شاید بلیک میں ٹکٹ بیچ بیچ کر کافی مال بنا رکھا ہے اس نے۔" "چل فضول نہ بکواس کر' اور کل ہی نکل جا کراچی۔" اب وہ محض اتفاق ہی تھا کہ "قصر عرفان" میں اب ہی تھے۔ طویل مدت بعد وہ لوگ وطن آئے تھے' اور عرفان کا ارادہ واپس جانے کا نہ تھا' وہ یہیں سیٹل ہونے کی کوشش میں تھا۔ چوکیدار سے ساری معلومات لے کر صادق واپس آیا' تو سلطانہ خوش ہو گئی۔ حالانکہ کمرے میں بند تھی' اور کمرے کے باہر شہریار بیٹھا تھا۔ شہریار جسے اس نے کبھی بھی بیٹا تسلیم نہیں کیا تھا' کبھی بیٹا کہہ کر پکارا نہیں تھا۔ سارا وقت اس کے بند کمرے کے باہر بیٹھا رہتا تھا۔ وہ روتی تو وہ بھی رونے لگتا' وہ چیختی تو بند دروازے کو بے بسی سے دیکھتے ہوئے وہ اسے پکارتا' ہولے ہولے تسلیاں دیتا۔ "آپا مت روؤ۔ ابھی اماں آئیں گی' تو دروازہ کھول دیتی ہیں' تجھے بھوک لگی ہے۔" وہ کھڑکی سے چپس کے پیکٹ اور بسکٹ کے ڈبے اندر پھینکتا۔ "ایسا کر' اسے بھی ساتھ ہی بھیج دے۔" صادق نے اسے دیکھ کر مشورہ دیا۔ "اللہ یار کی بیوی نہیں رکھنے کی اسے' یہ میں تجھے بتا دوں' یا پھر اپنے اس ٹکٹ بابو سے بات کر کے رکھ لے۔ بڑھاپے کا سہارا بنے گا۔" لیکن سلطانہ کو اس کی پہلی بات پسند آئی

تھی۔ "اگر نہ رکھا انہوں نے تو کسی یتیم خانے میں ڈال دیں گے۔" اس نے سوچا' اور مطمئن ہو گئی۔ یوں ملائکہ کو' بارہ سال بعد وہ "قصر عرفان" میں چھوڑ آیا۔ گیٹ سے اندر کر کے وہ وہیں سے پلٹ آیا۔ نیند کے انجکشن کا اثر ابھی تک تھا۔ ملائکہ نیم مندی مندی آنکھوں سے چاروں طرف دیکھ رہی تھی کہ چوکیدار نے جھڑکا۔ "اے' کون ہو تم لوگ اور ادھر کہاں گھس آئے ہو' باہر نکلو۔" شہریار نے بے بسی سے اسے دیکھا' اور صادق کا سمجھایا ہوا سبق دہرا دیا۔ "مجھے ملک محب اللہ خان سے ملنا ہے' وہ میرے نانا ہیں۔" چوکیدار نے اسے اور پھر ملائکہ کو دیکھا' الجھے ہوئے بال' دونوں ہاتھوں سے سر کھجاتی ہوئی وہ میلے ملگجے کپڑوں میں ملائکہ ہی تھی۔ وہ کچھ دیر تاسف سے اسے دیکھتا رہا' پھر اندر چلا گیا۔ ملک محب اللہ خان کی پیشانی پر بل پڑ گئے۔ "کون ملائکہ۔۔۔ ہم کسی ملائکہ کو نہیں جانتے۔ نکال باہر کرو۔" "دو سال' ہاں' دو سال جب وہ سکرین پر چھائی تھی' انہوں نے کتنی اذیت سے گزارے تھے' وہ ہر ایک سے چھپتے پھرتے تھے' حالانکہ وہ ملک سے باہر تھے' پھر بھی انہیں لگتا تھا

ہر بندہ انہیں دیکھ رہا ہے اور کہہ رہا ہے۔ وہ اداکارہ اس کی بیٹی ہے' پھر دو سال بعد اچانک اس نے شوبز کو خیر باد کہہ دیا' تو انہوں نے شکر کا سانس لیا' لیکن وہ دو سال کی اذیت' جب وہ فخر سے سر اٹھاتے ہوئے کہتی تھی' میں ملک محب اللہ خان کی بیٹی ہوں' ملائکہ محب اللہ۔" چوکیدار مڑا تو جانے کس جذبے کے تحت پھوپھو بھی اس کے پیچھے نکلیں۔ "آپا پلیز۔۔۔" انہوں نے روکا' لیکن وہ تو پورچ کی سیڑھیوں پر حیرت سے کھڑی اسے دیکھ رہی تھیں۔ زمین پر آلتی پالتی مارے بیٹھی وہ ادھر اُدھر دیکھ رہی تھی۔ چوکیدار نے اس کا بازو پکڑا تو اس نے غصے سے چھڑا لیا۔ "نہیں جاؤں گی۔" وہ بے اختیار دو قدم آگے بڑھیں۔ اس نے نظر اٹھا کر انہیں دیکھا۔ اس کی آنکھوں میں ویرانی تھی' اجنبیت تھی' اور وحشت۔۔۔ ان کی سوالیہ نظریں پریشان کھڑے لڑکے کی طرف اٹھیں۔ "یہ پاگل ہیں' آپ کو نہیں پہچانیں گی۔" "تم کون ہو اس کے۔

بیٹا ہوں ان کا۔" لڑکے کی آنکھوں میں آنسو آ گئے' اور وہ جھک کر اسے اٹھانے لگا۔ "آپا چلو گھر چلیں۔" "بھوک لگی ہے' پہلے کھانا دے۔" "کہاں جاؤ گے؟" پھوپھو عجب کیفیت میں گھری کھڑی تھیں۔ "ماموں نے کہا تھا کہ اگر انہوں نے نہ رکھا' تو کسی ٹیکسی والے کو کہنا وہ ایدھی ہوم میں لے جائیں گے۔ یہ کرایہ دیا تھا ماموں نے ٹیکسی

کا۔" اس نے مٹھی کھول کر دکھائی' اور پھر بازو سے پکڑ کر ملائکہ کو اٹھانے لگا۔ پھوپھو کے اندر جیسے بھونچال سا آگیا۔ دل پھٹنے لگا' کتنے نازوں سے پالا تھا انہوں نے اس کو' وہ ساکت کھڑی تھیں اور دل جیسے طوفانوں کی زد میں تھا۔ "امی جان!" عرفان نے پیچھے سے ان کے کندھے پر ہاتھ رکھا۔ "آپ ملکی کو معاف کر دیں۔" اس کی آواز بھرائی ہوئی تھی۔ "رہنے دو بھئی! مت کرو اس کی سفارش۔ ایسی بے شعور' احمق اور ناسمجھ لڑکیوں کا یہی انجام ہوتا ہے۔" "ملک محب اللہ خان بھی باہر نکل آئے تھے' کسی ٹیکسی والے کو روک لو۔

میں نے اس کہانی کو یہاں تک ہی پڑھا نہیں۔۔۔ "ساکت کھڑی پھوپھو چونکی تھیں۔ "نہیں۔۔" وہ بے اختیار اس سے آگے کے اختتامی جملے پڑھنے کی ضرورت بھی نہ تھی۔ اب ملائکہ میرے سامنے تھی۔ میں اسے دیکھ رہا تھا۔ آگے بڑھ کر ملائکہ کے پاس بیٹھ گئیں' وہ اس کے گندے میلے ہاتھوں کو چومتی جاتی تھا۔ مہینے میں دو چکر لگاتا تھیں' روتی جاتی تھیں' لیکن وہ ہنس رہی تھی۔ زمین سے کاغذ اٹھا اٹھا کر منہ میں ڈال رہی تھی۔ پھوپھو نے اسے سمیٹ لیا۔ بڑے بڑے ڈاکٹرز سے اس کا علاج کروایا گیا' لیکن اس کی ذہنی حالت میں کوئی خاص تبدیلی نہ آئی تھی' ہاں وہ پہلے سے بہتر ہو گئی تھی۔ مارتی پیٹتی نہیں تھی' لیکن جب دورہ پڑتا تو اسے سنبھالنا مشکل ہو جاتا تھا۔ تب اسے فاؤنٹین ہاؤس میں ایڈمٹ کروا دیا گیا۔ عرفان سیٹل نہ ہو سکا' تو واپس کینیڈا چلا گیا' اور شہریار کو بھی ساتھ لے گیا۔ ملک محب اللہ خان اپنی فیملی کے ساتھ پاکستان آ گئے تھے۔ پھوپھو بھی یہاں ہی تھیں۔ وہ مہینے دو مہینے بعد چکر لگاتیں' لیکن ملائکہ کسی کو پہچانتی نہ تھی' لیکن اس کی حالت بہتر ہو رہی تھی۔ وہ فونٹین ہاؤس میں آنے والے ہر شخص سے کہتی کہ وہ پاگل نہیں ہے' کبھی کبھی کوئی صحیح بات بھی کر جاتی' لیکن پھر بھی ڈاکٹرز کوئی خاص پرامید نہ تھے۔ وہ ملائکہ محب اللہ جسے محبت کی طلب تھی' لیکن جسے سچی محبت کبھی نہ ملی۔

تھا۔ اس کا کیس میرے مطالعے میں رہتا تھا' لیکن مجھے بھی ڈاکٹر لطیف کی رائے سے اتفاق تھا کہ اس کے بالکل ٹھیک ہونے کے امکانات کم ہیں۔ بچپن میں لگنے والی چوٹ کا اثر تھا' یا اس کے اندر کی ٹوٹ پھوٹ ہی اتنی شدید تھی کہ بحالی ممکن نہ رہی تھی۔ پھر بھی ہم اپنی سی کوشش میں رہتے تھے' میں گھنٹوں اس کے پاس بیٹھا رہتا' باتیں کرتا رہتا' لیکن اس کی آنکھوں میں جو اجنبیت تھی' وہ روز اول کی طرح ہی تھی۔ "میں ڈاکٹر حبیب ہوں ملائکہ!" "اچھا'

لیکن دیکھو مجھے انجکشن نہ لگانا۔" میرے تعارف کے فوراً بعد وہ کہتی۔ "نہیں لگاؤں گا۔" میں ہولے سے اس کا ہاتھ تھپتھپاتا۔ اس کے لمس سے میرے اندر اب بھی وہی ارتعاش پیدا ہو جاتا تھا' جو اس وقت ہوتا تھا۔ اگر میں اس سے شادی کر لیتا' تو شاید اس کی یہ حالت نہ ہوتی۔ کبھی کبھی میں سوچتا تھا' عجب پچھتاوا سا ہوتا۔ میری محبت شاید اس کے اندر کے خلا کو بھر دیتی' شاید۔ لیکن اس نے مجھ سے کتنے جھوٹ بولے تھے' اگر وہ سچ کہہ دیتی تو۔ میں نہیں جانتا کہ نوازش کی کہانی میں کتنا سچ ہے' اور کتنا جھوٹ' شاید واقعات و حقائق سب سچ ہوں' ہاں تھوڑی سی رنگ آمیزی کی ہو' نوازش آخر کو کہانی کار ہے نا' لیکن مجھے سب سچ ہی لگتا ہے۔

مجھے یہ کہانی مکمل ہی لگتی ہے۔ بس اس میں ایک بات نہیں ہے۔ ایک بات جو نوازش نہیں جانتا تھا' یا جانتا بھی ہے تو اس نے لکھا نہیں۔ اس نے لکھا کہ ملائکہ کو سچی محبت کبھی نہیں ملی۔ کسی نے اسے دل کی گہرائیوں سے نہیں چاہا۔ وہ محبت کی طلب میں اندھا دھند بھاگی' اور پھر اس کھوج میں ہوش و حواس کھو بیٹھی۔ اس کا من خالی کا خالی رہا۔ دل آباد نہ ہو سکا۔ یہ ہی اس کہانی کے اختتامی جملے ہیں' لیکن مجھے ان سے اتفاق نہیں ہے' کیونکہ میں۔۔۔ ہاں میں نے اس سے محبت کی' نوازش سچ کہتا تھا کہ میں اس سے محبت کرنے لگا ہوں۔ ان بہت سارے بیتے سالوں میں مریم جیسی بیوی کے ہوتے ہوئے بھی' میں نے جسے سوچا ہے' وہ ملائکہ محب اللہ خان ہے۔ میری وہ راتیں اس کی گواہ ہیں' جو میں نے اسے سوچتے گزاریں۔ میں نے جو کو اتنا نہیں سوچا' جتنا ملائکہ کو' جو تو ایک نرم ہوا کا جھونکا تھی' جو میرے دل کو معطر کر کے چلی گئی' لیکن ملائکہ تو ایسا شجر تھی' جس کی جڑیں میرے اندر دور تک چلی گئی تھیں۔ مجھے اعتراف ہے کہ میں اس سے محبت کرتا ہوں' ویسی ہی محبت جیسی محبت کی اسے چاہ تھی۔ اور صرف میں ہی نہیں' عرفان بھی اس سے محبت کرتا ہے۔ جب ہی تو ہر چھ مہینے بعد وہ اس سے ملنے چلا آتا ہے' اتنی دور سے' وہ بھی گھنٹوں میری طرح اس کے پاس بیٹھتا۔ اس سے اِدھر اُدھر کی باتیں کرتا ہے' وہ سنتی ہے' لیکن سمجھتی نہیں۔ وہ بات ختم کر کے پُراُمید نظروں سے اسے دیکھتا ہے' تو وہ فوراً ہی کسی کی شکایت جڑ دیتی ہے۔ نمبر 3' مجھے گھور کر دیکھتی ہے۔ اس وقت عرفان کے چہرے پر پھیلتے مایوسی کے رنگ' اس کی آنکھوں میں نمی' اس کے اندر کی کیفیتوں کا اظہار کرتی ہے۔

ہاں عرفان ملک نے ابھی اس سے محبت کی ہے۔ اتنی ہی شدید محبت' جتنی شدید محبت کی وہ ہمیشہ طالب رہی۔ بلکہ عرفان کی محبت میری محبت سے ارفع ہے۔ اس کی جڑیں بہت گہری ہیں' تب سے جب وہ معصوم سی بچی تھی' جب اس کی ماں نے کہا تھا۔ "اسے تو میں اپنے عفی کی دلہن بناؤں گی۔" تب سے۔۔۔ وہ ملائکہ محب اللہ جو محبتوں کی حریص تھی' جسے سچی محبتوں کی طلب تھی' اور اس طلب میں اس نے خود کو فگار کر لیا تھا۔ وہ آبلہ پا ان محبتوں کو پانے کے لئے بھاگتی رہی تھی' وہ جو کہتی تھی۔ "میں نے اپنے باپ کے خاندان میں جانے کے لئے بہت سفر کیا ہے' لیکن میری مسافتیں رائیگاں ٹھہریں۔" ان دنوں جب وہ میرے کلینک میں آیا کرتی تھی' تو اکثر کہتی تھی۔ اس میں تھوڑی جھوٹ کی آمیزش تھی' لیکن یہ سچ ہی تو تھا' کہ اس نے بہت سفر کیا' لیکن باپ کے خاندان میں جانے کے لئے نہیں' محبت کی طلب میں' وہ جب ہوش میں تھی' تو اسے محبت کی بہت طلب تھی' بہت لالچ تھا' اس کی ماں کہتی تھی۔ "تو مرد کی رفاقت کی بھوکی ہے' تب ہی تو اتنے عروج میں شوبز چھوڑ کر ممتاز سومرو کے پیچھے چل پڑی۔" اور وہ کہتی تھی۔ "نہیں' میں مرد کی رفاقت کی نہیں' اس کی محبت کی بھوکی ہوں۔" وہ ملائکہ محب اللہ خان۔۔۔ اب ہوش و حواس سے بیگانہ ہو چکی ہے' لیکن وہ محبت اس کے سامنے ہے' اس کی دسترس میں' وہ جب چاہے مٹھی بھر کر اس محبت کو اپنے دل میں رکھ لے' اور شانت ہو جائے۔

اور ایک مرد کی نہیں' دو دو مردوں کی محبت۔۔۔ ایسی محبت جس میں کوئی کھوٹ نہیں' کوئی لالچ نہیں۔ میں نے اس سے محبت کی' لیکن اس کے سنگ زندگی گزارنے کے خواب نہیں دیکھے' تصور میں بھی اسے اپنے گھر میں چلتے پھرتے نہیں دیکھا' لیکن عرفان نے ان سارے خوابوں کو ہرا دیے کر اس کے خواب دیکھے' میں نے ایک بار اسے کہتے سنا تھا۔ "ملکی! ایک بار ہوش کی دنیا میں لوٹ آؤ' تو میں تمہیں وہ سارے خواب لوٹاؤں گا' جو میں نے تمہارے حوالے سے دیکھے' ملکی! مجھے تمہارا بیٹا اتنا عزیز ہو گیا ہے کہ مجھے لگتا ہے کہ جیسے وہ میرا اور تمہارا بیٹا ہو۔" ہاں محبت اس کے سامنے پڑی ہے' اس کی دسترس میں' لیکن اب اسے محبت کی طلب نہیں ہے۔ ہم دونوں اپنے اپنے مدار کے گرد چکر لگاتے ہوئے بھی اس کی کوشش کے دائرے سے باہر نہیں نکل سکتے۔ اسی لئے بھاگے بھاگے اس کے پاس آتے ہیں۔ وہ روتی رہتی ہے' شکایتیں کرتی رہتی ہے۔ نمبر دو کی' نمبر چار کی' نمبر تین کی۔ "نمبر دو نے میرے بال کھینچے تھے۔" اور "نمبر تین کی پلیٹ میں زیادہ چاول تھے۔" اور محبت اس کے سامنے پڑی سسکتی رہتی

ہے' لیکن وہ اس کی طرف آنکھ اٹھا کر بھی نہیں دیکھتی۔ حالانکہ محب اللہ جسے محبت کی بہت طلب تھی' لیکن جسے محبت کبھی نہیں ملی تھی۔